اسلام کے
بُنیادی عقائد
شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح
مکتبہ ملّت دیوبند یوپی

منظور کردہ

مجلسِ علمی جامعہ دینیات (اردو) دیوبند

برائے فاضلِ دینیات

اسلام کے بنیادی عقائد

مع

اسلام اور معجزات

از تالیفات

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ

ناشر

مکتبہ ملت دیوبند

پن نمبر ۲۴۷۵۵۴

نام کتاب

اسلام کے بنیادی عقائد

مصنف ــــــــــ علامہ شبیر احمد عثمانی رح
باہتمام ــــــــــ انعام الٰہی صدیقی
ناشر ــــــــــ مکتبہ ملت دیوبند
سول ایجنٹ ــــ ادارہ تاج المعارف دیوبند

فہرست مضامین

❖ ❖ ❖ ❖

❖ ❖ ❖ ❖

عرضِ ناشر

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی ولادت باسعادت ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۵ء بجنور میں ہوئی جہاں ان دنوں علامہ عثمانیؒ کے والد مولانا فضل الرحمن عثمانیؒ سرکاری مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر تھے۔ علامہ عثمانیؒ کا اصل وطن دیوبند ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا برصغیر میں جو علمی و دینی مقام ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ علامہ عثمانی تحریر و تقریر میں لاثانی بڑے ذہین مبصر، ومفکر دیدور عالم تھے۔ غیر منقسم ہندوستان کے تمام علماء آپ کی عظمت کا لوہا مانتے تھے۔

شیخ الہندؒ حضرت مولانا محمود الحسنؒ کے خصوصی تلامذہ میں تھے دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور یہیں ایک عرصہ تک تفسیر و حدیث کی درس و تدریس میں مشغول رہے تقسیم ملک کے وقت پاکستان تشریف لیگئے۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء بروز سہ شنبہ ساڑھے گیارہ بجے بہاولپور میں انتقال فرمایا اور ۱۴ دسمبر کو اس آفتاب علم کو سپرد خاک کردیا گیا۔

زیر نظر یہ کتاب علامہ کی اہم اور بنیادی تصنیف ہے علماء اور عوام کے افادہ کے پیش نظر اسکو شائع کیا جارہا ہے امید ہے کہ اس علمی خدمت میں ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

والسلام:۔ انعام الٰہی فاضل دیوبند

مالک:۔ مکتبہ ملت دیوبند یوپی)

تقریظ حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ صاحب قبلہ کشمیری رح

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ایک مدت گزرتی ہے کہ احقر نے حضرت علامۃ العصر مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کی خدمت عالی میں عرض کی تھی کہ تفسیر قرآن اس زمانہ کی ضرورت کو لحاظ کر کے جو بقاء دین محمدی کا واحد مدار اور دنیا کو اس کا انتظار ہے اس کا ایک مقدمہ مبسوط علیٰ حدہ لکھا جانا چاہیئے جس میں چند مسائل اور عقائد عقلاً و نقلاً سلف صالح اور اہل سنت والجماعت کے طریقہ پر طے کئے جاویں مثلاً مسئلہ تقدیر، خلق افعال عباد اور مسئلہ معجزات جس میں اکثر یورپ کے جذبات کے مقلدین تحریف سے کام لیتے ہیں، الحمد للہ والمنۃ کہ جناب مستطاب موصوف الصدر نے مسئلہ معجزات کو لکھ لیا ہے اور انشاء اللہ المستعان ایسا واقع ہوا ہے کہ احقر کے دائرہ تمنا سے بہت اعلیٰ وارفع۔ اور حاوی اور منضبط کہ ہر ایک حق پسند سے یہ امید قائم ہو گئی کہ دیکھتے ہی انشاء اللہ بدون کسی تردد کے مطمئن ہو جائیں گے اور ایک بڑے مقدمۂ تفسیر کا فیصلہ ہو جائے گا۔ حق تعالیٰ مؤلف علام کو جملہ اہل حق کی طرف سے جزاء خیر دے واللہ ولی التوفیق۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،

۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ

اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم، ولعد

یہ مبارک عنوان جس کی بقدر مناسب تفصیل لکھنے پر آج میری خوش قسمتی اور سعادت نے مجھ کو آمادہ کیا ہے جس قدر اپنے تلفظ کی حیثیت سے چھوٹا۔ مختصر اور مفرد دکھائی دیتا ہے اسی قدر اپنی معنوی وسعت کے اعتبار سے تفصیل طلب اور دقت خیز ہے، اسلام کی تاریخ اس کی صداقت، اس کے فوائد اس کے برکات اور اس کی ترقی و تنزل کی داستان بے حد پُر نتائج اور دلچسپ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس قلیل وقت میں پوری نہیں ہو سکتی جو اس تحریر کے لکھنے میں میں اپنے پاس سے صرف کر سکتا ہوں لیکن محض یہ نیت کر کے کہ ایسے مقدس اجلاس کے سلسلہ میں مضامین کا اس طرح کہ اہم اور ضروری عنوان سے خالی رہنا بھی شاید بہتر علامت نہ ہو، میں نے یہ کوشش کی ہے کہ اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی کا اقرار کر دینے کے بعد بہ کمال اختصار اسلامی اصول کو جس طرح پر کہ میں سمجھا ہوا ہوں اپنی قوم اور احباب کے رُو برُو پیش کر دوں تاکہ ہمارا یہ مجمع اسلام کے بابرکت تذکرہ کے ثواب سے محروم نہ رہے اور مولینا عبید اللہ صاحب کے

حکم کی (جنہوں نے میرے دل میں اس مضمون کی تحریک پیدا کی) تعمیل نہ کرنے کا بھی مجھ کو گنہگار نہ ہونا پڑے

اس میں کچھ شک نہیں کہ مجھ سے پہلے سینکڑوں مصنفین نے اسی مضمون پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور ہزاروں فضلاء اسی عنوان پر خامہ فرسائی کر چکے ہیں اور لاکھوں پیرایوں میں انہیں مسائل کا اعادہ ہو چکا ہے اور بے شمار آدمی اس موضوع پر اپنی جادو بیانی کا ثبوت دے چکے ہیں اور ایسی حالت میں ہماری اس ناچیز تحریر کی کوئی وقعت قائم ہونا نہایت مشکل ہے لیکن ہم خوش ہیں کہ ہم کو اپنے مضمون کی وقعت قائم کرنے کی خلش ہرگز دامن گیر نہیں ہے اور نہ ہمارے دل میں یہ تمنا ہے کہ ہمارے ہر ہر جملہ پہ واہ واہ کے نعرے بلند کئے جاویں یا احسنت اور مرحبا کی صداؤں سے آسمان سر پہ اُٹھایا جاوے یا بات بات پہ سبحان اللہ اور الحمد للہ کا ورد پڑھا جاوے

ہماری صرف ایک ہی آرزو ہے، اور اسی میں کامیاب ہونے کو ہم اپنی محنت کا اصلی صلہ سمجھتے ہیں وُہ یہ ہے کہ جو دلی خیالات ہم نہایت صفائی کے ساتھ عام پبلک میں پیش کریں گے اگر سچائی اور راستی پر مبنی ہیں اور درحقیقت ان خیالات کا ماننے والا حیات ابدی کا مستحق ہو سکتا ہے تو اہل عقل ان کی تصدیق فرما کر ہم کو راحت اور تسلی بخشیں اور اگر فی الواقع ان خیالات کو ہم نے اپنی غلطی سے دل میں جما لیا ہے یا ان کے تسلیم کرنے میں اوہام کی آمیزش لگی ہوئی ہے یا کسی کو رانہ

تقلید اور بے جا حسن ظن کی وجہ سے اُنہوں نے ہمارے دل میں راہ پالی ہے تو براہِ نوازش ہماری غلطیوں پر ہم کو متنبہ فرما کر ایک گم گشتہ راہ کی ہدایت کا اجر جو خدا کے یہاں سے مل سکتا ہے اپنے دفترِ حسنات میں درج کرانے کی کوشش کریں۔

سامعین کو یہ مَیں اطمینان دلاتا ہوں کہ میری تحریر کا عام ماخذ اگرچہ اکابرِ سلف کی تصنیفات سے باہر نہ ہوگا، لیکن اس کا پیرایۂ بیان اور ترتیبِ دلائل جداگانہ طرز پر ہوگی اور شاید اصول اسلام کے ضمن میں بعض ایسے مضامین بھی نظر پڑیں گے جن کی اس قدر تفصیل دوسری کتابوں میں نہ مل سکے گی کیوں کہ اسلام کی فیض رسانی ہر خاص و عام اور ہر عالم و جاہل کے واسطے ہے اور اس کے اسرار اور فیوض عامّہ کسی شخص پر ختم ہونے والے نہیں ہیں وُہ اسلام جس کے چشمہ سے قطرہ قطرہ آبِ حیات بن کر نکلا ہے جس کے خزانے میں سے علم و معرفت کے لعل و جواہر تقسیم ہوتے رہے ہیں جس کی عالمگیر روشنی سے دُنیا کا ذرّہ ذرّہ جگمگا اُٹھا ہے وُہ اپنے اخیر زمانہ کے پیروؤں کو اپنی فیاضی سے محرُوم رکھے اور اپنے ایک سچّے مناقب و کمالات بیان کرنے والے کی کچھ امداد نہ کرے یہ بالکل قیاس سے باہر ہے۔

مَیں یقین کرتا ہُوں کہ میری تقریر کا روشن عنوان اس مضمون میں خود میری رہبری کرے گا اور اگر اور کچھ نہیں تو اس سے بھی کیا کم کہ ایک ایسے اولوالعزم مذہب کے نام لینے ہی سے میری تقریر کی کافی حد تک عزت کی جا سکے گی۔

یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اسلام کے یا اور کسی مذہب کے غیر متناہی فروع کا احاطہ کرنا اور ہر ایک جزئی جزئی کو دلائل یا قیاسات سے ثابت کر دکھانا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ فضول اور بے کار بھی ہے کیوں کہ جب ایک مذہب کے تمام اصول بروئے عقل وانصاف تسلیم کر لئے گئے تو فروعات اور جزئیات کے ماننے میں انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی، اس لئے ہر مذہب وملت کی جانچ اس کے اصول اور کلیات ہی کی صداقت سے کی جائے گی اور اس کی حقانیت کی پڑتال کا بہی بہتر اور آسان ذریعہ قرار پائے گا۔

اس قید کو ملحوظ رکھ کر ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے اصول بلکہ (تنگی وقت کا لحاظ کر کے) اصل الاصول کہاں تک عقل صحیح اور فطرتِ سلیمہ کے زیر حمایت ہیں وہ انسان کی فلاح وبہبود کی کس حد تک کفالت کر سکتے ہیں۔ دنیا کے دوسرے شاندار مذاہب سے ان کو کیا فوقیت اور امتیاز حاصل ہے اُنہوں نے بندوں کے دلوں میں خدا کی کیسی قدر و منزلت قائم کرائی ہے اور پیغمبروں کا کس قسم کا احترام منوانے کی کوشش کی ہے۔ اگر ہم اپنی اس تحقیق میں جس کا مدار محض نیک نیتی پر ہوگا خاطر خواہ کامیاب ہو گئے تو یوں سمجھو کہ ہم نے اپنی زندگی کا ایک بڑا بھاری فرض ادا کر لیا، اور بہت سے دوستوں کو جو مجھ ہی جیسے ہوں سخت محنت اور کدو کاوش اور دردسری سے نجات دلا دی اور ہزارہا بندگانِ خدا کو تفتیش مذاہب میں ایک طویل جانکاہی سے بچا دیا۔

ہاں یہ بات بار بار یاد دلانے کے قابل ہے کہ اس مختصر تحریر میں جو کچھ مذکور ہوگا وہ طویل وعریض بیانات نہ ہوں گے، نہ کثیر التعداد علماء کی رایوں کا استقصا اور موازنہ کیا جاوے گا اور نہ بے انتہا کتابوں کے حوالے درج ہوں گے کیوں کہ ان مباحث کے لئے ہم نے خود ایک ایسی مبسوط اور مستقل تصنیف کا ارادہ کر رکھا ہے جس کو ہماری اس تحریر سے وہی نسبت ہو گی جو کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر دلپذیر کو ان کی حجۃ الاسلام سے اس تحریر میں جو کچھ خیال ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ اصول اسلام کی تشریح میں بعض کار آمد اور مفید عام مضامین نہایت ایجاز کے ساتھ لکھ دیئے جائیں جن سے ایک طرف تو ہمارے مذہبی خیالات کا اندازہ ہو جائیگا اور دوسری طرف اس مفصل کتاب کی (جس کا قصد میں نے ابھی ظاہر کیا، نوعیت مضامین سے واقف ہونے اور طرز تحریر کے پرکھنے کا بھی مشتاقوں کے واسطے یہ تحریر ایک نمونہ بن جائے گی،

بلا شبہ اس قدر وسیع عنوان (اسلام) کو ان چند اوراق میں کھپا دینا دریا کو کوزہ میں بند کرنے سے ہرگز کم نہیں ہے مگر اسلام کے تعجب انگیز اعجازوں میں سے یہ بھی ایک ہے جس پر ڈاکٹر گستاؤلیبان وغیرہ محققین یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی ہے کہ جس قدر طویل ہے اسی قدر مختصر بھی ہے اور جتنا دشوار ہے اتنا ہی آسان بھی ہے اور جیسا کہ اس سے ایک حکیم اور ارسطوئے وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے ایسے ہی ایک

عامی اور افریقہ کا ایک وحشی بھی اپنا کام نکال لیتا ہے۔ اسلام کے برگ و بار اگرچہ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں مگر ان سب کی جڑ صرف ایک کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ ان ہی دو جملوں میں تمام اسلامی معتقدات کا خلاصہ اور لب لباب نکل آتا ہے اور یہی کلمہ شریعت اسلام کا جوہر ایمان کی روح، راستی کا نشان، ہدایت کی زندہ تصویر اور علوم حقائق کا سرچشمہ ہے۔ اسی کلمہ سے دائمی راحت حاصل ہوتی ہے اسی سے روحی مسرت اور حقیقی آرام ملتا ہے، اسی کی بدولت مسلمان خیر الامم کے لقب سے سرفراز کئے گئے ہیں اور اسی کے چھوٹنے سے آج ان کو قعر مذلت میں گرا دیا گیا لیکن جبکہ یہ کلمہ کل اہل اسلام کے نزدیک ایسی نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ تصور کر لیا گیا، تو نہایت ضروری ہے کہ اسلام پر مضمون لکھنے والا اول اسی کی حقیقت کے واضح کرنے میں اپنا وقت صرف کرے اور جب تک اس کی کامل تحقیق سے فارغ نہ ہو جائے اسی کو مطمح نظر بنائے رکھے چنانچہ میرا ارادہ بھی اس وقت یہی ہے کہ جہاں تک غور کیا گیا اس کلمہ کے دو جزء نظر آئے ان میں سے پہلا جزو جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی چیز معبود بننے کی صلاحیت واستحقاق نہیں رکھتی فی الواقع تین مضمونوں پر مشتمل ہے خدا کا وجود ہونا اس کا قابل عبادات ہونا اور اس کی خدائی میں کسی کا شریک نہ ہونا۔

خُدا کا وجُود

یہی وُہ مضمُون ہے جس کی تائید تمام ادیان و مذاہب نے یک زبان ہو کر کی ہے اور جس پر بلا نکیر اہلِ ملل کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ملاحدہ جن کا دُوسرا نام منکرین مذہب بھی ہے، زور شور کے ساتھ اسی مضمُون کی تردید پر تلے ہُوئے ہیں اور مادّیین (میٹریسٹ) کے گروہ سے ہماری سب سے بڑی معرکہ آرائی اسی میدان میں ہو سکتی ہے۔

یورپ میں مادہ پرستوں کی جو جماعت تیار ہوئی ہے اس نے آج کل مذہبی دُنیا میں ایک عام ہلچل ڈال رکھی ہے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اس کا اظہار کیا ہے کہ خُدا کا وجُود ہرگز کوئی واقعی وجُود نہیں ہے بلکہ وُہ بھی ان ذہنی اشیاء میں سے ایک شے ہے جن کو انسانی تخیل نے قوانین طبعیہ سے مرعوب ہو کر اختراع کر لیا تھا رفتہ رفتہ اس فرضی خُدا نے لوگوں کے دماغوں پر ایسا کچُھ قبضہ اور اقتدار حاصل کیا کہ اُنھوں نے اپنے تمام اعمال و افعال اور تمام ارادوں بلکہ تمام کائنات کی عنان حکومت اسی کے ہاتھ میں دے دی اور محض اپنی خوش اعتقادی سے یہ سمجھ لیا کہ دُنیا میں جو کچُھ کرتا ہے خُدا ہی کرتا ہے اور جس قدر حوادث پیش آتے ہیں یا واقعات کا ظہُور ہوتا ہے یہانتک کہ اگر ایک پتّہ بھی ہلتا ہے اور ایک تنکہ بھی اپنی جگہ سے سرک جاتا ہے تو بغیر اس کے حکم اور ارادہ کے

نہیں ہو سکتا۔

مادہ پرست کہتے ہیں، کہ اہل مذاہب سے کوئی پوچھے کہ تم کو ایک ایسی ما فوق الفطرت ہستی کے ماننے پر کس چیز نے مجبور کیا ہے کیا عالم میں جو حوادث واقع ہوتے رہتے ہیں یا زمانہ جو پلٹیاں کھاتا ہے یا وجود کی آمد و شد جو اکثر چیزوں میں مشاہدہ کی جا رہی ہے تمہارے اس فرضی خدا کے سوا اور کسی سبب سے ربط نہیں کھا سکتے یا مادہ جو مع اپنی حرکت کے ابدی و ابدی ہے ان ضرورتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا یا خواہی نخواہی تم کو ایک موہوم خارج از عقل ہستی کے سامنے جبہہ سائی ضروری معلوم ہوتی اگر ہم سے پوچھو تو یہ سب خیالات ارباب مذاہب کی ناواقفیت اور کوتاہ فہمی پر مبنی ہیں کیونکہ زمانہ حال کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے ———————— کہ عالم کی تمام سماوی اور ارضی اشیاء کی اصل دو چیزیں ہیں، مادہ اور اس کی قوت (حرکت) اور ازل سے دونوں تلازم کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ مادہ اور اس کی حرکت میں جدائی اور انفصال ہو سکے اور ایک بغیر دوسرے کے پایا جاوے، مادہ سے وہی اجزا دیمقراطیسی مراد ہیں جو اس خلاء میں بھرے ہوئے ہیں اور جو اگرچہ ذہنی قسمت قبول کر سکتے ہیں لیکن خارجی تقسیم کا ان میں امکان نہیں انہیں ذرات کو ایثر (ایتھر) سے تعبیر کرتے ہیں، اور انھیں کی دوامی حرکت کی وجہ سے اجرام سماوی یعنی ستارے اور کائنات ارضی یعنی جمادات و نباتات اور حیوانات جو

پہلے سے موجود نہ تھے وجود میں آئے ہیں اور ان چیزوں کا مادہ اور اس
کی حرکت سے بننا بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ کوئی معلول اپنی علت سے
بے اختیار بن جاتا ہے چنانچہ ان اشیاء کی پیدائش میں مادہ اور اس
کی حرکت کو نہ کسی قسم کا ادراک ہوتا ہے اور نہ ان میں قصد و ارادہ پایا
جاتا ہے اور جب ہم کرات عالم اور تمام مخلوقات کے وجود کو مادہ اور
اس کی حرکت سے منسوب کر سکتے ہیں تو نہ ہم کو کسی فرضی خدا کی حکومت
ماننی پڑتی ہے اور نہ اپنے کو مذہبی طوق و سلاسل میں پھانسنے کی
ضرورت رہتی ہے غرض ہمارے نزدیک مادہ بھی قدیم ہے اور اس
کی حرکت بھی قدیم ہے اور جو سلسلہ صورتوں کا مادہ کے اندر قائم رہتا
ہے وہ بھی قدیم ہے اگرچہ صورت شخصیہ علیحدہ علیحدہ حادث ہے اس
حالت میں ہم کو خدا کے وجود کی اصلا ضرورت نہیں بلکہ مادہ اور اس کے
قوانین فطریہ ہی عالم کی ہستی اور بقا کی ضمانت ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ بے شک مادیین نے بزعم خود کائنات کے وجود
کا ایک خاص سبب پیدا کیا لیکن ابھی تک جس منتظم اور مرتب کائنات کے
سبب کی ہم کو تلاش تھی اس میں کامیابی نہیں ہوئی انہوں نے ہم کو
ایک نہایت علیم و حکیم اور ہمہ صفت موصوف خدا سے علیحدہ کر کے ایک
ایسے خدا پر قناعت کرنے کی رائے دی جو بالکل اندھا، بہرہ، گونگا،
اور بے حس و بے شعور ہے جس کا کوئی کام نہ قصد و اختیار سے ہو سکتا
ہے، نہ مصنوعات میں کسی قسم کی ترتیب اور تناسب پیدا کرنے پر

قادر ہے نہ اس میں سمجھ کا مادہ ہے نہ وُہ کسی قاعدہ و قانون سے واقف ہے نہ اس کو امورِ انتظامیہ کی اطلاع ہے، حالانکہ جس عالم کے فاعل کا ہم کو کھوج لگانا تھا وہ عالم کائنات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے ہر ہر جزو میں بیش قیمت حکمتیں ودیعت رکھی ہوئی ہیں جس کے عجیب و غریب اسرار کا مشاہدہ کرتے کرتے عقل انسانی تھک جاتی ہے اور جس کے بہت تھوڑے سے حِصّہ کا تتبّع کرنے سے حکماء کو خصوصاً ان مادہ مییین کو یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ مظاہرِ فطرت کی جس قدر باریکیاں ہم معلوم کر سکے ہیں وُہ اس سے بہت ہی کم ہیں جو اب تک معلوم نہیں ہو سکیں۔ علم تشریح علم الافلاک، علم الحیوانات، علم نباتات اور علم طبقات الارض کے ماہرین سے دریافت کرو جو رازہائے قدرت تُم نے موجُودات عالم میں آج تک دریافت کیئے ہیں وُہ کس قدر ہے، اور ان کی حفاظت کے واسطے کتنے دفتر اور کتنے کتب خانہ تم کو درکار ہوتے ہیں۔

پھر عالم کے احوال میں جو تفاوت اور حاجت مندی کے آثار پائے جاتے ہیں اُس پر بھی ایک نظر ڈالو اور ہر ہر شے کی پستی و ذلّت کو (جس سے خُدا تعالیٰ کی پُر حکمت و جبروت کا سبق حاصل ہوتا ہے) بہ نظر تعمق ملاحظہ کرو تاکہ تُم کو معلُوم ہو کہ یہ کارخانہ یُوں ہی بے سِرا اور بخت و اتفاق سے پیدا ہونے کے قابل نہیں ہے۔

آسمان، چاند، سورج اور ستاروں کو دیکھئے کہ ایک حال پر قرار نہیں کبھی عروج ہے، کبھی نزول، کبھی طلوع ہے کبھی غروب، کبھی نور، کبھی

گہن، آگ کو دیکھئے کہ بے قرار ہے تھامے نہیں تھمتی، ہوا کا یہ حال ہے کہ کبھی حرکت کبھی سکون اور حرکت بھی ہے تو کبھی شمال کبھی جنوب، کبھی پورب اور کبھی پچھم کو ماری ماری پھرتی ہے، ادھر پانی کا کرۂ ہوا کے دھکوں سے کہیں کا کہیں نکلا جاتا ہے، اور زمین کو بھی پستی کے سوا لاچاری اس درجہ کی ہے کہ اس پہ کوئی دوڑتا ہے، کوئی بھاگتا ہے، کوئی کھودتا ہے، کوئی بھرتا ہے، اسی طرح نباتات کبھی چھوٹے ہوتے ہیں کبھی بڑے، کبھی تر ہو جاتے ہیں کبھی خشک ہو جاتے ہیں اور اس پہ ایک زمین ایک پانی اور ایک آفتاب ہونے کے باوجود اس قدر مختلف پھول اور پھل لاتے ہیں کہ ایک دوسرے سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے علیٰ ہذا القیاس حیوانات خصوصاً بنی نوع انسان باوجودیکہ سب کے سب اربع عناصر ہی سے مرکب ہیں شکل وشمائل خُو، بو، اور خاصیت ومزاج میں اتنے مختلف معلوم ہوتے ہیں کہ حدِ ادراک سے باہر ہے، اس کے علاوہ بھوک پیاس صحت، مرض، گرمی، سردی اور حرص وہوا وغیرہ کے بہت سے موکل ان کے پیچھے ایسے لگا دیئے ہیں کہ جس سے شرف حیات بھی خاک میں مل گیا، اور حضرت انسان کے پیچھے تو اتنا لشکر کا لشکر خواہشات اور حاجات کا متعین ہوا کہ جس نے اُس کی فہم ودانش کو ناچار کر کے تمام شرافت وعزت کو ملیامیٹ کر دیا، دوسرے حیوانات تو صرف کھانے پینے ہی کے محتاج ہیں،

لباس، مکانات، سواری، عزت، منصب، جاگیر، میٹھے

کھٹے، نمکین کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے لیکن انسان کو بغیر ان چیزوں کے
بھی زندگی بسر کرنا محال یا دشوار ہے بلکہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ جس میں کوئی خوبی اور کمال زیادہ تر تھا اسی کو اوروں کی نسبت زیادہ
قیودات میں بند کر کے رکھا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بادشاہ اگر
غریبوں کو قید کرتے تو کئی کئی قیدیوں کو ایک محافظ سپاہی کفالت
کرتا ہے، اور اگر کوئی بادشاہ یا امیر ان کی قید میں آجاتا ہے تو گو اسے
تعظیم سے رکھیں لیکن اس پر بہت پہرے اور بڑے بڑے بہادر حفاظت
کے لئے مقرر کیا کرتے ہیں۔

بہرحال جبکہ ایسے ایسے اشرف اجزائے عالم اس ذلت و خواری
میں گرفتار ہیں جس کا ذکر اوپر ہوا، ایسے مجبور ہیں کہ دم بھر کو بھی ان قیودات
کے شکنجوں سے وہ علیحدہ نہیں ہو سکتے تو بلاشبہ اُن کے سر پر کوئی
ایسا منتظم حاکم ہے جو ان سے ہر وقت قیدیوں کی مانند یہ سب بیگاریں
لیتا ہے اور چین سے نہیں رہنے دیتا تاکہ یہ مغرور نہ ہو جائیں اور اوروں
کو ان پر بے نیازی کا گمان نہ پیدا ہو۔

بلکہ ان کو ایسا ذلیل و خوار دیکھ کر یہ خود بھی اور دُوسرے لوگ بھی
خُدا کو پہچانیں اور سمجھ لیں کہ یہ اس کے انتظام کی خُوبی ہے کہ ان سے
طرح طرح کے کام لیتا ہے اور ان پر قسم قسم کے احوال بھیجتا ہے اور یہ
ایسا قصہ ہے جیسا کہ ایک بیدار مغز اور مدبر حاکم اپنے ماتحتوں کو فارغ
نہیں رہنے دیتا، اور اس پر کبھی کہیں کبھی کہیں تبدیل کرتا رہتا ہے۔

یورپ کا ایک محقق راسکن بھی انہیں مناظر قدرت کو دیکھکر کہتا ہے کہ "اے آسمانوں! مجھکو خبر دو، اے دریاؤ مجھکو بتاؤ، اے زمین مجھکو جواب دے اے بے انتہا ستارو تم بولو کہ کون سا ہاتھ ہے جس نے تمہیں افق میں تھام رکھا ہے۔ اے شب چاردہ[1] کس نے تیری تاریکی کو خوب صورت بنا دیا ہے، تو کس قدر شان والی ہے اور کس قدر عظمت مآب ہے، تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے جس نے تجھ کو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے، اس نے تیری چھت کو قبہ ہائے نور سے مرصع کیا ہے جس طرح کہ اس نے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے، اور گرد کو اچھالا ہے۔ او! مژدہ رساں سحر! او نیر شگرف! او ہمیشہ روشن رہنے والے ستارے! او آفتاب درخشاں! سچ بتا تو کس کی ادائے طاعت کے لئے محیط کے پردے سے باہر آتا ہے، اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعیں عالم پر ڈالتا ہے۔ اے پُر رعب سمندر، اے وہ کہ غضب ناک ہو کر زمین کو نگل جانا چاہتا ہے کس نے تجھ کو محبوس کر رکھا ہے، جس طرح شیر کٹھرہ میں قید کر دیا جاتا ہے تو اس قید خانہ سے بے فائدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے تیری موجوں کا زور ایک حد معین سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔

ملٹن ڈورڈ کہتا ہے کہ "انسان اس وقت سخت حیرت زدہ ہو جاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور ناطق مشاہدات کے

---

[1] چودھویں رات

ہوتے ہوئے ایسے بھی موجود ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت و اتفاق نتائج کے ہیں یا دوسری عبارت میں یُوں کہنا چاہیئے کہ مادّہ کی علم علم خاصیت کے نتائج کے ہیں یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیاں جن کو لوگوں نے علم المحسوسات کا "لقب دیا ہے علم حقیقی نے ان کو بالکل باطل کر دیا ہے، فزیکل سائنسدان کبھی اس پر اعتقاد نہیں لا سکتا۔ ہربرٹ اسپنسیر کہتا ہے کہ "یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہیں جب ان پر زیادہ بحث کرتے ہیں تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اُوپر ایک ازلی وابدی قوت ہے جس سے تمام اشیاء وجُود میں آتی ہیں " پروفیسر لینا کہتا ہے وُہ خدائے اکبر جو ازلی ہے، جو تمام چیزوں کا جاننے والا ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے اپنی عجیب و غریب کاری گریوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ مَیں مبہُوت اور مدہوش ہو جاتا ہُوں۔

اب ان سب کے جواب میں مادّہ پرست کہتے ہیں کہ یہ تمام عُمدہ انتظام اور مضبُوط قاعدے جو دُنیا میں جاری ہیں یہ سب بھی "مادّہ اَور حرکت کی" ہی کارسازیاں ہیں اور مادّہ اگرچہ خود نہیں جانتا مگر خود بخود اس سے بے سوچے ایسے ایسے حیرت انگیز قوانین اور اصُول بن جاتے ہیں جن کی اس عالم کو ضرُورت رہتی ہے اور جس پر نظام عالم کا دارومدار ہے لیکن ان حضرات سے اگر کوئی یہ کہے کہ ہندوستان کے کسی گاؤں میں بچّہ پیدا ہُوا اور بچّہ پیدا ہوتے ہی

اس نے نہایت فصیح و بلیغ تقریر شروع کی اور وُہ علوم و معارف اس کی زبان سے ظاہر ہوئے ہیں جن کی خبر نہ ارسطو کو ہوئی تھی، نہ افلاطون کو. نہ بیکن کا ذہن وہاں تک پہنچا تھا اور نہ نیوٹن کا۔

نہ رازی کو وُہ مضامین خواب میں نظر آئے تھے نہ امام غزالی کو تو یہ لوگ ہرگز اس کے بیان کی تصدیق نہ کر سکیں گے۔ بلکہ جو شخص اس عجوبہ قصہ کی تصدیق کرے گا اس کو بھی ان لوگوں کے یہاں سے مجنوں، دیوانہ، اور خبطی و پاگل کا خطاب ملے گا۔

تو کیا اُے عقلمند! مادہ کی وُہ سحر کاریاں اس واقعہ کی قدرت سے کچھ کم حیرت افزا ہیں وُہ بچہ جو ایک نامکمل انسان ہے ان امور کی قدرت نہ رکھے جن کو چند تعلیم یافتہ مرد انجام دے سکتے ہیں، اور ایک "جمادِ لایعقل" جس کو ذرہ برابر بھی ادراک و شعور نہیں، تمام مخلوقات کی حفاظت اور زینت کے ایسے محکم دستور العمل تیار کرے جن کو دیکھ کر دُنیا کے عقلاء حیران ہیں اور جن کے اسرار حکمت کی گہرائی کو سب مل کر بھی آج تک معلوم نہیں کر سکے، اگر اس پر بھی آپ یہی کہے جاویں کہ نہیں کچھ ہی ہو ان تمام قوانین کی واضع وہی مادہ کی بے اختیاری حرکت ہے تو بقول علامہ حسین آفندی "ہماری اور آپ کی مثال ٹھیک ان دو شخصوں کی سی ہوگی جو کسی نہایت رفیع الشان اور مضبوط کوٹھی میں داخل ہُوئے جس میں متعدد کمرے اور نشستگاہیں پائی جاتی ہوں وُہ شاندار دروازوں اور مضبوط جنگلوں سے آراستہ ہو،

اس کے برآمدے اور ڈیوڑھیاں بہت استحکام کے ساتھ بنائی گئی ہوں، اور کمروں میں اعلیٰ درجہ کے فرش بچھے ہوئے ہوں، بڑے بڑے بلند تخت لگے ہوں، نہایت بیش قیمت برتن اس کے چاروں طرف قرینے سے رکھے ہوں۔

مختلف گھڑیوں، متعدد "مقیاس الحرارۃ" اور مقیاس الہواء کے ذریعہ اس کی دیواروں کی زیبائش کی گئی ہو۔

غرض اس میں بود و باش کرنے کے لئے جتنے سامان ضروری ہوں سب ہی کچھ موجود ہوں، اس کے چاروں طرف نہایت خوب صورت سیر گاہیں نظر آتی ہوں۔ گرداگرد ایسی چمن بندی کی گئی ہو جن میں درختوں کا صف باندھ کر کھڑا ہونا نگاہوں کو بھلا معلوم ہوتا ہو قسم قسم کے پھولوں کی کیاریاں موقع موقع سے بنائی گئی ہوں اس کی نہروں اور جدولوں میں پانی بھرا ہوا ہو، اس کے مستحکم بنے ہوئے حوض لبالب بھرے ہوں،

خلاصہ یہ کہ عیش و آرام کے سب سامان مہیا ہوں، اور جو بھی انہیں دیکھے یہی کہے کہ فلاں شئے فلاں حکمت پر مبنی ہے، اس کی یہ ضرورت ہے، اس کا بنانے والا کیسا ذی اختیار اور خوش تدبیر تھا جس نے کہ جو چیز بنائی ایک قرینے سے بنائی، اور جس شئے کے لئے جو مقام تجویز کیا وہی مناسب تھا۔

اب ایسے مقام پر پہنچ کر ان دونوں شخصوں میں سے ایک تو یہ

کہنے لگا کہ صاحب اس میں ذرا شک نہیں کہ اس کا بنانے والا ان ساری عجیب غریب صناعیوں پر خوب ہی قادر تھا، اور ان کی تالیف و ترتیب کے طریقوں سے بھی بڑی واقفیت رکھتا تھا جب ہی تو اس نے انتہا درجہ کی حکمت کے اس کو اس قدر مضبوط اور استوار بنایا، اور خوبی یہ کہ اس کے تمام لوازمات کامل طور پر مہیا کر دیئے تاکہ یہاں رہنا اور کما حقہٗ عیش و آرام سے بسر کرنا ممکن ہو اور کوئی امر آسائش و راحت میں مخل نہ ہونے پائے، اس کے بنانے والے کو اگرچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں مگر یہ بالکل یقینی امر ہے کہ اس میں علم و قدرت، تدبیر و حکمت وغیرہ اوصاف جن کی کہ اس کوٹھی کے بنانے میں ضرورت پڑتی ہے سب موجود تھے۔

باقی اس کوٹھی کے ساز و سامان میں اگرچہ بعض چیزیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جن کی حکمت میری سمجھ میں نہیں آئی، لیکن ان میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ اگرچہ میں اس کو دریافت نہیں کر سکا کیونکہ جن اشیاء کی حکمت میری سمجھ میں آگئی میں نے اس سے اطمینان کر لیا ہے کہ اس کا بنانے والا بڑا حکمت والا ہے تو اس نے ان کو بھی خارج از حکمت و مصلحت نہ بنایا ہوگا۔

اب دوسرا شخص اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اس کوٹھی کے وجود کا سبب جو تم نے بتلایا یہ درست نہیں بلکہ ایک پہاڑی کی طرف (جو اس کوٹھی کے پاس استادہ تھی اور جس کی جڑ میں ایک پانی کا چشمہ جاری تھا) اشارہ کر کے کہا کہ اس پہاڑی کی چوٹی سے اس قطعۂ زمین کی

جانب جس میں یہ کوٹھی واقع ہے ہمیشہ زمانہ قدیم سے ہُوا چلا کرتی ہے یہی ہُوا لاکھوں برس تک مٹی اور پتھروں کو پہاڑی سے منتقل کرتی رہی اور وُہ سب چیزیں اس کی وجہ سے مختلف شکلوں پر اس قطعہ زمین پر جمع ہوتی رہیں اور بارش کا پانی ہمیشہ اس میں کچھ تصرف کرتا رہا کبھی اس کی شکل کچھ ہوگی کبھی کچھ اسی طرح کبھی وُہ چیزیں مجتمع ہوگئیں اور کبھی پراگندہ اور ان کی اوضاع شکلوں میں ہوا اور بارش کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہی یہاںتک کہ کروڑوں برس کا زمانہ گذرنے کے بعداب اس کوٹھی کی باقاعدہ صورت بن گئی جس میں کمرے، نشستگاہیں دروازے جنگلے، برآمدے، راستے، حوضیں اور نہریں سبھی کچھ پائی جاتی ہیں - رہا نہروں کا جاری ہونا اس کی یہ صورت ہُوئی کہ اس چشمہ سے جوکہ اس پہاڑی کی تلی میں واقع ہے ہمیشہ پانی بہ بہ کر اس قصر کے صحن میں مختلف طریقوں سے جاری ہُوا، اس لئے پانی سے اس کی مٹی گلتی رہی ہوا اور بارش کا اثر اس کے راستہ میں ہوتا رہا۔ شدہ شدہ لاکھوں برس کا زمانہ گذرنے کے بعد باقاعدہ نہریں اور حوضیں جاری ہوگئیں اور اس میں پانی اس موجُودہ انتظام کے ساتھ بہنے لگا۔

اب اس کے برتن، گھڑیوں، فرش اور مختلف قسم کے مقیاسوں کو لیجئے، ان کی یہ صُورت ہُوئی کہ مسافروں کا قافلہ جوکبھی اس پہاڑ پر اس زمین میں اُترا تو قافلہ والوں کی یہ چیزیں اتفاق سے چھوٹ گئیں، اور ہوا ان کو مختلف طرح پر ادھر ادھر منتقل کرتی رہی حتیٰ کہ سالہاسال

کے بعد یہ نوبت پہنچی کہ فرش باقاعدہ بچھ گئے، برتن قطاروں میں آراستہ گھڑیاں اور منتیاسس دیواروں پہ آویزاں ہوگئیں، یہی حالت ان درختوں اور پھولوں کی ہوئی جو یہاں کی سیرگاہوں میں باقاعدہ لگے ہوئے ہیں۔ ان کے بیج ہوا میں اڑکر یہاں تک پہنچ گئے اور اس زمین پر جم کر اُگ آئے اور ہوا کی وجہ سے اِدھر اُدھر منتقل ہوتے ہوتے باقاعدہ طور پر آراستہ ہوگئے اور موجودہ حالت پر نظر آنے لگے۔

اب وہ شخص جس کے دماغ میں کچھ بھی عقل اور سر میں کچھ بھی انصاف ہے، بے لاگ ہوکر ان دونوں بیانات کا فیصلہ کر دے اور بے تعصبی کی راہ سے بتلا دے کہ اس کوٹھی کے تیار ہونے کا وہ سبب جو پہلے آدمی نے بتلایا ہے عقل کے نزدیک ماننے کے قابل ہے یا دوسرے شخص کی بیہودہ بکواس، اور اسی طرح عالم کی پراسرار ہستی کے واسطے ایک قادرِ مطلق اور "علام الغیوب" خدا کا اعتقاد رکھنا زیادہ قرین قیاس ہے، یا ایک جاہل اور اپاہج مادہ کا، اور ایسی صورت میں اربوں کھربوں انسانوں کی رائے (جو آدم علیہ السلام کے عہد سے اس وقت تک گذر رہے ہیں اور جن میں بڑے بڑے حکماء اور اولوالعزم انبیاء بھی شامل ہیں) صحت اور واقعیت سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے یا ہزار دو ہزار غافل اور بدمستوں کی۔

بلاشبہ ہمارے زمانے کے بعض عقلاء سے سخت غلطی ہوئی کہ انہوں نے ایسے ایسے اعلیٰ درجہ کے قوانین قدرت کو جن سے خدا تعالیٰ کی حکمتوں

اور صناعیوں کی بوقلمونی ظاہر ہوتی ہے، خدائے برتر کی امداد کا محتاج نہیں سمجھا، بلکہ صرف ان قوانین میں جو حرکت مادہ سے پیدا ہوتی ہیں باہم توافق تناسب ربط واتحاد پیدا کرنے کے لئے خدا کے وجود کی ضرورت باقی رکھی حالانکہ اس تناسب واتحاد کا باقی رکھنا بھی اسی مادہ اور حرکت کو کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا جس نے ایسے ایسے غامض اور غیر متغیر قوانین عالم میں جاری کر دیئے ہیں۔

تماشے کی بات یہ ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں میں بعض علماء نے مادہ پرستوں کی دھمکی سے مرعوب ہو کر مادہ وغیرہ کو قدیم مان لیا اسی طرح بعض دوسری اقوام کے لیڈروں نے بھی یوروپ کے ملحدوں سے ڈر کر قدامت کے مسئلہ کو جزو مذہب بنا لیا ہے اور اسی پر مسئلہ تناسخ کی بھی نیو جمانا شروع کر دی حالانکہ دنیا کی وہ پرانی کتاب جس پر یہ لوگ نہایت زور شور کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور جس کو اہل ہند کی عزت افزائی نے الہامی کتاب بھی بنا دیا ہے خوب پکار کر کہہ رہی ہے کہ خدا کی ذات وصفات کے سوا کوئی قدیم نہیں ہے چنانچہ رگوید منترا اشلوک ۱۸ وہیائے ۱۶ کا جو ترجمہ خود سوامی دیانندجی مہاراج نے بھاشیہ بھومکا صفحہ ۱۷ میں کیا اس کی حرف بحرف نقل یہ ہے :۔

جس وقت ذرّوں سے مل کر بنی ہوئی دنیا پیدا نہیں ہوئی تھی اس وقت یعنی پیدائش کائنات سے پہلے است (غیر محسوس حالت) تھی یعنی شونیہ اکاش بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس کا اس وقت کچھ کاروبار نہیں

تھا اس وقت (ست پر کرتی) یعنی کائنات کی غیر محسوس علت جس کو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو (ذرّے) تھے وارث (کائنات) ہیں جو اکاشش دوسرے درجہ پر آتا ہے وہ بھی نہ تھا بلکہ اس وقت صرف پربرہم کی سامرتھیہ (قدرت جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے برتر پرم (بے علت) ارکان ہے موجود تھی الخ

کیا رگوید کی اس صریح عبارت میں کوئی تاویل چل سکتی ہے؟ کیا کسی تاویل کرنے والے کے لفظی اُلٹ پھیر کچھ کام دے سکتے ہیں، کیا اس کے بعد بھی ان حضرات کے دو اہم اصول قدامت عالم اور تناسخ کی بیخ و بنیاد قائم رہ سکتی ہے ہم کو افسوس ہے کہ اس قوم کے لیڈروں کی کوشش جو انہوں نے وید کی جدت طرازی میں کی تھی بالکل رائگاں گئی اور انہوں نے خدا کو لوہار، بڑھئی، کمہار کے ساتھ تشبیہ دینے میں فضول اپنا وقت ضائع کیا ان کا خیال ہے کہ جس طرح بڑھئی، لوہار، ظروف ساز، وغیرہ اپنے ہر چیز کے بنانے میں مادہ کی احتیاج رکھتے ہیں اسی طرح خداوند کارساز کے لئے بھی یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ دنیا کے کارخانوں کو بغیر کسی مادہ کے بنادے۔

لیکن ان صاحبوں کو یہ خیال نہیں رہا کہ بڑھئی، لوہار وغیرہ کو بغیر ہاتھ پاؤں، اعضاء جسمانی وغیرہ سامان اور اوزاروں کے بھی کسی چیز کا بنانا محال ہے۔ حالانکہ خدا کی نسبت خود بھومکا صفحہ ۹ میں تسلیم کرلیا گیا ہے کہ اس کو ان آلات کی ضرورت نہیں۔

بڑھئی، لوہار وغیرہ کو جیسا کہ کسی چیز کے بنانے میں مادہ کی ضرورت ہے ایسے ہی دیکھنے میں آنکھ کی اور سننے میں کان کی اور بولنے میں زبان کی ضرورت ہے حالانکہ ستیارتھ پرکاش کی تصریح کے موافق خدائے عزوجل بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے بغیر کانوں کے سنتا ہے اور بغیر زبان کے کلام کرتا ہے۔

تو ایسی حالت میں نہ معلوم ان حضرات کو ویدک تعلیم کے برخلاف مادّہ کو قدیم کہنے اور اس پر تناسخ کا خیال باندھنے کی کیا ضرورت پیش آئی کیوں صاف طور پر وہی نہ کہدیا جو مسلمان وغیرہ کہتے تھے کہ خدا تعالےٰ کی ذات وصفات کے سوا سب اشیاء فانی اور حادث ہیں اور سب چیزوں کا وجود خدائے تعالیٰ کے اعتبار سے ایسا ہی عرضی و مستعار ہے جیسا کہ زمین و آسمان اور در و دیوار کا نور آفتاب کے نور سے یا گرم پانی کی گرمی آگ کی حرارت سے، اس خدائے واحد نے اپنی قدرت کاملہ اور ارادۂ نافذہ سے ہر چیز کو نیست سے ہست کیا اور وہی اپنے اختیار سے جب چاہے گا نیست کر دے گا نہ اس کو مادّہ کا احتیاج ہے نہ اس پر رُوح کی حکومت ہے نہ اس کے اختیارات محدود ہیں، اور نہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہے وُہ تمام کمالات کے ساتھ موصُوف، اور جملہ نقصانات اور عیوب سے پاک ہے، کیونکہ تمام کمالات وجود کے تابع ہیں اور وجُود ہی ان کا سرچشمہ ہے اور تمام نقصانات عدمی ہیں اور عدم ہی ان کا باعث ہوا ہے تو جب خُدا کا وجُود غیر محدُود اور خانہ زاد ہے کسی دُوسری جگہ سے آیا ہوا نہیں اور نہ ہی عدم کا قطعاً اس کے

ساتھ اختلاط ہوا ہے تو جملہ کمالات بھی اس کے بے حد و بے پایاں اور غیر مستعار ہوں گے اور مخلوقات میں سے کسی مخلوق کے اندر جو کوئی بھی خوبی اور حسن ہوگا وہ سب اس کے محاسن اور صفات کا پرتو ہوگا

پس جب ایسی ذات ستودہ صفات نے اپنے اختیار و قدرت سے دُنیا کو بنا دیا ہے تو یقیناً اس کی ایجاد اور ابقاء میں بے انتہا حکمتیں صرف ہوئی ہوں گی اور بے شبہ بنانے سے پہلے ہی خدائے تعالیٰ کے علم میں اس کا مرتب نقشہ اور ابتدا سے انتہا تک ہر ہر چیز کا اندازہ اور پیمانہ موجود ہوگا۔ جس کو غالباً اہل اسلام لفظ تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ تعبیر اس اعتبار سے بالکل موضوع ہے کہ لغت میں اس لفظ کے معنے اندازہ ہی کرنے کے ہیں۔

بہرحال اب تک جو کچھ ہم نے لکھا اس میں اگرچہ اثبات صانع عالم کے متعلق وہ زبردست استدلالات نہیں لکھے گئے جن کی تفصیل ہمارے متکلمین نے اپنی مبسوط تصانیف میں کی ہے یا جن کو ہم انشاء اللہ اسی مفصل کتاب میں درج کریں گے جس کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے یہاں تو ایک سیدھے دلنشین اور عام فہم طریقہ سے جس قدر اس مختصر تحریر میں گنجائش تھی عالم کے واسطے ایک جامع الکمالات فاعل کا ہونا ضروری قرار پا گیا اور یہی وہ مدعا تھا جس کو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اب جو کچھ گفتگو باقی ہے وہ اس میں ہے کہ اتنی بڑی کائنات کے لئے کیا تنہا ایک ہی خدا کا وجود کافی ہو سکتا ہے اور اسی سے ہماری سب حاجتیں پوری ہو سکتی ہیں

یا ہم کو مختلف ضرُوریات کے واسطے در در بھٹکنا پڑے گا اور بہت سے خود مختار بادشاہوں کے سامنے گردن جھکانا ہوگی۔

توحید

یہی وُہ بحث ہے جس کے ضمن میں اسلام کے چمکتے ہوئے امتیازات ظاہر ہوتے ہیں یہی وُہ مقام ہے جس میں آ کر تمام مذاہب کے قدم لغزش کھا گئے ہیں اور یہی وُہ موقعہ ہے جہاں پہنچ کر دینِ برحق کے کارناموں کی آزمائش ہوتی ہے مگر قبل اس کے کہ ہم اس بارے میں مذہب اسلام کی خصوصیات کو نہایت جلی حرفوں کے اندر ظاہر کریں یہ لازم خیال کرتے ہیں کہ جملہ مذاہب سے علیحدہ ہو کر محض عقلی حیثیت سے اس مسئلہ کو سمجھیں اور خدائے کامل کے دریافت کرنیوالی عقلوں سے دریافت کریں کہ آیا فی الواقع ایک ہی خدا ساری دُنیا کا بلا مشقت انتظام کر سکتا ہے، یا اس کو اپنی حکومت کے برقرار رکھنے میں یار مددگار رکھنے کی بھی ضرورت ہے۔

جہاں تک فکر کی گئی اس سوال کا جواب حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے زیادہ پر مغز اور جامع کسی نے نہیں دیا اور مصنفین میں سے غالباً اس قسم کی فلسفیانہ بحث کو اس قدر سلیس زبان میں کوئی نہیں سمجھا سکا چنانچہ مولٰینا کے ان مضامین کا

ماحصل جو تقریر دلپذیر میں ہے درج ذیل ہے۔ شعر

مطرب از گفتۂ حافظ غزل نغز بخواں

تا بگویم کہ ز عہد طربم یاد آمد

جناب من دُنیا کے پیدا کرنے والے اگر دو یا دو سے زائد خُدا ہوتے تو ہرگز کوئی چیز بھی وجُود میں نہ آسکے گی اور یہ سارا قدرتی کارخانہ بالکل درہم وبرہم ہوجائے گا کیونکہ یہ بات تو یقینی طور پر تسلیم کی جاچکی ہے کہ جس چیز کو خُدا کہا جائے اس میں کسی طرح کی کمی اور نقصان نہ ہونا چاہیئے اگر ایسا ہو تو عام بندوں میں اور اس میں فرق نہیں رہ سکتا اس لئے کہ بندے خُدا بن لے سے اسی لئے محرُوم ہیں کہ ان میں قسم قسم کے نقصانات پائے جاتے ہیں اور وجُود کی باگ ان کے قبضہ میں نہیں ہے کہ جو خوبی اور جو کمال چاہیں اپنے واسطے موجُود کرلیں اب اگر خُدا بھی ایسا ہی مجبور ناقص ہو تو اس کو کیا استحقاق ہے کہ وہ ہمارا خدا بن بیٹھے جب یہ بات قرار پاگئی تو اب یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ آدھی مخلوق ایک خُدا کی اور آدھی ایک کی ورنہ ہر خُدا میں نصفا نصف خُدائی کی کمی اور کسر ہوگی، اسی بنا پر یہی کہنا پڑے گا کہ ہر ایک خُدا پُوری پُوری خُدائی کا مالک ہے۔

مگر اس صُورت میں جیسا وہ کامل ہوگا دُوسرے پر اس کی تاثیر بھی کامل ہی واقع ہوگی کیونکہ ممکنات اور خالق کی ایسی مثال ہے، جیسے آفتاب یا چاند اور زمین و آسمان وغیرہ کی، آفتاب سے آفتاب کی طرح

کا، اور چاند سے چاند کی طرح کا نور پھیلتا ہے، اور زمین و آسمان در و دیوار کوہ و اشجار وغیرہ میں سے ہر ایک شے کو حسب قابلیت منور کر دیتا ہے اور چیزیں تو فقط نظر آنے لگتی ہیں لیکن آئینے کا اتنے ہی نور سے کچھ اور حال ہو جاتا ہے، وہ خود بھی منور ہوتا ہے اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کر دیتا ہے، الغرض جتنا چاند اور سورج میں فرق ہے اتنا ہی ان کی شعاعوں میں اور اور چیزوں کے منور ہونے میں فرق ہے تو جب خدا کا وجود بڑا ہی کامل ٹھہرا اور مخلوقات کے موجود کرنے میں اس کی تاثیر بھی کامل ہوئی۔ اب اگر ایسے ایسے دو یا کئی خدا ہوں گے اور مخلوقات مشترک ہو گی تو ہر طرف سے کامل ہی کامل وجود ہر مخلوق کے پیمانہ اور حوصلہ کے موافق آئے گا، گز میں گز بھر اور بالشت میں بالشت بھر اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سانچہ میں دو چیزیں اور ایک سیر بھر کے برتن میں دو سیر اناج اور ایک جوتے میں ویسے ویسے دو قدم، اور ایک اچکن میں اس کے موافق دو بدن اور ایک نیام میں اسی مقدار کی دو تلواریں، اور ایک مکان میں اسی کی گنجائش کے موافق دو چند اسباب نہیں سما سکتا اور دھینگا دھینگی سے ایک میں دو کو ڈالنے لگتے ہیں تو وہ سانچے اور برتن وغیرہ ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر دونوں خداؤں کی طرف سے پورا پورا وجود ایک مخلوق میں سمانے لگے تو بے شک وہ مخلوق معدوم اور نیست و نابود ہو جائے گی۔

ہاں اگر خدا کے وجود کا کامل ہونا ثابت نہ ہوتا بلکہ اس میں نقصان اور کمی کا احتمال ہوتا تو یوں بھی کہہ سکتے کہ جیسے دو چراغوں کا نور ملکر کامل نور ہو

جاتا ہے دو خدا کے وجود کا پر تو مل کر کمال کو پہنچ جاتا ہوگا، مگر اس کو کیا کیجئے کہ خدائی کے واسطے کامل الوجود اور تمام الصفات ہونا لازم ہے اور تمام اہل مذاہب کو اس کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔

اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ وہ دو وجود جو خداؤں کی جانب سے مخلوق کو عطا ہوئے، اگر ایک ہی خدا کے خزانہ میں ہوتے اور جو زور و قوت اور شوکت و حشمت دوسرے کو حاصل ہے وہ سب بھی اس ایک خدا کے پاس ہوتے تو بلاشبہ یہ سب مل کر اس ایک تنہا خدا کی انفرادی قوۃ میں بہت کچھ اضافہ ہو جاتا اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک خدا کے وجود میں فی الجملہ کوتاہی اور نقصان ہے جس کی مکافات دوسرے کے وجود سے کی جاسکتی ہے باوجودیکہ اس کا اقرار کیا جاچکا ہے کہ خدائے پاک کی ذات ہر قسم کے قصور و فتور سے مبرا ہے وہ بے نقصان ہے سب چیزیں اس کے بھروسہ پر قائم ہیں وہ کسی کے سہارے کا محتاج نہیں وہ سب کی اصل ہے اور سب اس کی فرع ہیں۔

اور کیوں نہ ہو جس سلسلہ کو دیکھئے ایک ہی اصل پر قرار پکڑتا ہے، نور آفتاب اگرچہ ہزاروں مکانوں اور ہزار ہا روشندانوں میں جدا جلوہ گر ہے لیکن ان سب متفرق انوار کو اسی ایک آفتاب کے ساتھ رابطہ ہے اعداد کا سلسلہ گو ایک سے الیٰ غیر النہایۃ پھیلا ہوا ہے کہیں دو کہیں تین کہیں چار کہیں پانچ کہیں بیس۲۰ کہیں سو کہیں ہزار اور اس پر کہیں جذر کہیں مجذور کہیں حاصل ضرب کہیں مضروب فیہ کہیں حاصل قسمت

کہیں مقسوم کہیں مقسوم علیہ وغیرہ لیکن ان سب کی اصل وہی ایک کا عدد ہے اگر ایک نہ ہو تو یہ سارا سلسلہ اعداد کا نیست و نابود ہو جائے موجوں اور حبابوں کے کارخانوں کو دیکھئے تو سب کی اصل وہی ایک جز ہے آدمی وغیرہ کو دیکھئے تو سب اصل میں جیسے انسانیت وغیرہ کہتے ہیں مشترک ہیں۔

اسی طرح جہاں نظر پڑتی ہے کوئی ایسا سلسلہ نظر نہیں آتا جس کا کوئی "سر منشا" نہ ہو اور پھر ان سر منشاؤں کو دیکھئے تو ان کا کوئی اور سر منشا ہے۔ وھلم جرا مثلاً ہم تم ہندو مسلمان اور یہود و نصاریٰ وغیرہ میں آدمیت سر منشا ہے۔ اسی طرح گھوڑوں میں کوئی اور سر منشا ہے اور گدھوں کی اور اصل اور کتوں کی اور اصل ہے، ان سب اصولوں کی اصل جاندار ہوتا ہے ادھر نباتات کی اصل علیحدہ ہے اور ان کا جدا ہی سلسلہ اور جدا ہی سر منشا ہے۔ پھر ان کی اصل اور، اور جانداروں کی اصل جسمیت کی زیر حکومت ہے اسی طرح اوپر تک چلے چلو آخر میں جا کر سارے عالم کا اشتراک وجود میں نکلتا ہے لیکن چونکہ شئے مشترک عین موجودات نہیں (جیسا کہ اپنے موقعہ میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے) بلکہ بایں لحاظ کہ ایک شئے کبھی موجود ہو سکتی ہے کبھی معدوم، یہ کہا جائے گا کہ وجود عالم ایک خارجی اور عارضی چیز ہے اصلی اور ذاتی نہیں جیسا کہ پانی اپنی ذات سے گرم نہیں ہے اور آگ کی حرارت سے جو کہ اس کی اصلی اور ذاتی ہے، اس میں عارضی گرمی پیدا کر سکتے ہیں، ٹھیک اسی طرح عالم کے وجود عارضی کے لئے بھی ضرورت ہے

ہے کہ وُہ کسی ایسے موجُود اصلی سے مستعار ہو جس کا وجُود عرضی و مُستعار نہ ہو پھر جیسے آفتاب سے گو ہزار ہا جگہ دھوپ پھیلے پر سب کی سب ایک ہی آفتاب کا فیض ہے یُوں یقین کرنا چاہیئے کہ تمام عالم کا وجُود بھی ایک موجُود حقیقی و اصلی کا پرتو ہے اسی کو ہم خُدا سمجھتے ہیں اور اسی کی نسبت ہمارا یہ خیال ہے کہ اس میں تعدد کی گنجائش نہیں -

اب یہاں پہنچ کر آپ شاید بول اُٹھیں کہ ہم نے مانا کہ موجودات کے وجود میں باہم اس طرح کا فرق نہیں جیسے دھوپ اور چاندنی میں جس کا وجُود ایسا ہی یکساں نظر آتا ہے جیسے اِس میدان کی دھوپ اور اُس میدان کی جس طرح ہر جگہ کی دھوپ کو خواہ وہ میدان وسیع اور جنگل میں ہو یا صحن مکان میں دھوپ ہی کہا جاتا ہے ، اسی طرح ہر چیز کے وجُود کا نام بھی خواہ وُہ زمین و آسمان کا ہو یا چاند سورج کا یا انسان و حیوان کا وہی وجود رہتا ہے لیکن اگر فرض کریں کہ آسمان پر ایسے ایسے کئی آفتاب ہُوں تو جس طور پر بہت سے ستاروں کا نُور مل کر رات کو یکساں نظر آتا ہے بالیقین ان آفتابوں کا نور بھی مل کر یکساں نظر آئیگا پس اگر عالم کے واسطے کئی صانع ہوں اور سب کے وجُود کا پرتو مل کر اسی طرح یکساں دکھائی دیتا ہو تو کیا بعید ہے۔

اس شُبہ کا جواب اوّل تو وہی ہے جو اس تقریر کے شروع میں معلوم ہو چکا کہ جس کارخانہ کو دیکھیئے وُہ کسی ایک چیز پر منقطع ہوتا ہے اور جس سلسلہ کو دیکھئے کسی ایک پر منتہی ہو جاتا ہے چنانچہ دھوپوں کا آفتاب پر سلسلہ

اعداد کا ایک پُرموجوں   کا پانی پر تمام ہونا اور چند مثالیں ان کے
سوا پہلے بیان ہوچکی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں میں جتنے پھیلاؤ
ہیں وُہ کسی ایک شئے کی طرف سمٹے جاتے ہیں۔

اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ پانی اور آفتاب وغیرہ اشیاء مذکورہ
کی وحدت (یعنی ایک ہونے کی صفت) بھی منجملہ موجودات کے شئے
موجُود ہے اور ان اشیا میں وحدت کا وجود بھی عارضی طور پر ہے کیونکہ
آفتاب اور پانی وغیرہ کے بہت سے ٹکڑے ہوسکتے ہیں اگر ان کی وحدت
اصلی اور ذاتی ہوتی تو وُہ ان سے کسی طرح زائل نہ ہوسکتی یعنی نہ ان میں تقسیم
جاری ہوتی اور کثرت کی گنجائش کسی نہج نکل سکتی، اس سے ظاہر ہُوا کہ جیسا
عالم کا وجود عارضی ہے وحدت بھی اس کی عارضی ہوگی، اور یہ وحدت بھی
اسی موجود اصلی کا فیض ہوگا، جس کا فیض خود وجود عالم ہے اور اس کی وحدت
بھی اسی طرح اصلی ہونی چاہیئے جس طرح اس کا وجود اصلی ہے۔ اس موقع
پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جیسا کہ وحدت اقسام وجُود میں سے ہے ایسی ہی
کثرت بھی ہے اور عالم کا ہر قسم کا وجُود عارضی ٹھہرا اور خُدا کے وجُود کا پرتو
ہُوا تو لازم آئے گا کہ وہ صفت کثرت بھی خُدا کے اندر پایا جاوے اور اس
کے واسطے وصف اصلی اور ذاتی ہو لیکن یہ مغالطہ تمکو اس وجہ سے لگا کر
وحدت کے مانند کثرت کو بھی تم نے اقسام وجُود میں شمار کرلیا حالانکہ کثرت
کا مبنیٰ عدم پر ہے۔

دیکھو ہم جانتے ہیں کہ نور آفتاب ایک شئے واحد ہے لیکن اگر کسی دیوار

ہیں ایک مکان کے دو روشندان برابر برابر ہوں تو درمیان میں اندھیرا ہونے
کی وجہ سے ہر روشندان کا نور علیحدہ علیحدہ معلوم ہوگا غرض یہ کثرت اندھیرے
کے سبب سے معلوم ہوتی ہے اگر ادھر ادھر نور اور بیچ میں اندھیرا نہ ہو،
مثلاً دیوار کو مکان میں سے اُٹھا ڈالیں تو سب جگہ نور ہی نور ہو جائے گا
اور یہ فرق و امتیاز اور تعدد جس کا نام کثرت ہے ذرا باقی نہ رہے گا اب
چونکہ اندھیرا نور کے نہ ہونے کو کہتے ہیں اور نہ ہونا ہی عدم ہے تو معلوم
ہوا کہ کثرت عدم کے باعث پیدا ہوئی ہے وجود کے اقسام میں سے نہیں۔
بہرکیف اس تقریر سے یہ ثابت ہوگیا کہ جو اوصاف وجودی ہیں
اور عالم میں پائے جاتے ہیں وہ ضرور ہیں کہ خدائے تعالیٰ میں بھی ہوں اور
جو اوصاف عدمی ہیں وہ لازم ہے کہ خدا میں نہ ہوں اور یہ ثابت ہوا کہ
جو موجود اصلی ہوگا اس میں کسی قسم کی تقسیم کی گنجائش نہ ہوگی اور نہ وحدت
جو اوصاف وجود میں سے ہے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا اس میں اصلی نہ رہے گی
حالانکہ یہ محال ہے کہ وجود تو اس کا اصلی ہو اور سب قسم کا وجود مخلوقات
کو اس سے پہنچے اور ہر طرح کے وجود کا منبع اور معدن ہو اور پھر اس میں
بعض انواع وجود کے اصلی نہ ہوں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وجود اس کا عین
ذات ہے اور ذات اس کی عین اوصاف ہے اور اوصاف اس کے
عین وجود ہیں ورنہ وحدت اصلی اور موجودیت ذاتی باقی نہیں رہ سکتی۔
اس وقت گو میں یقین کرتا ہوں کہ جو شبہ تم کو تعدد صانع کے متعلق پیش
آیا تھا اس کا حل کافی حد تک ہو گیا ہے بلکہ اس کے ضمن میں اور بہت

سے گراں قدر فوائد بھی اختصار کے ساتھ حاصل ہو گئے لیکن میری یہ رائے ہے
کہ ابھی اس مضمون کی کچھ اور بھی تشریح کروں اور توحید کے بارے میں جو کچھ
بھی شبہات ہوں اُن کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ ڈالوں بگوش وہوش سنیئے۔
مَیں کہتا ہوں کہ اگر کم از کم دو صانع ایجادِ عالم میں شریک ہوں گے تو وُہ
دونوں جیسا کہ صانع ہونے اور موجود اصلی ہونے میں شریک ہوں گے
ایسے ہی کسی نہ کسی امر میں علیحدہ بھی ہوں گے کیوں کہ جہاں اشتراک کے
ساتھ تعدد پایا جائے تو وہاں لازمی بات ہے کہ کسی حیثیت سے ایک کو
دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز بھی سمجھا جائے مثلاً دو آدمی باوجودیکہ آدمیت
میں شریک ہیں مگر بعض اوصاف میں مختلف بھی ہیں جیسا کہ شکل وصُورت
قد و قامت، مکان و زمان، رنگ و روپ، خاصیت مزاج وغیرہ میں
اگر یہ علیحدگی اور فرق نہ ہو تو تعدد ہرگز نہ ہو، وہی ایک آدمی رہے اس وجہ
سے ضروری قرار پایا کہ جو دو چیزیں کسی امر میں مشترک ہوں تو ان میں
سے ہر ایک کے اندر ایسے خصوصیات ہونی چاہئیں جو دوسری میں نہ پائی
جائیں ان ہی خصوصیات کے مجموعہ کو ہم اپنی اصطلاح میں ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔
مگر ذات بے وجود کہ معدوم محض ہے کیوں کہ دنیا کی ہر ایک چیز
وجُود کے ذریعہ سے ہی موجُود کہلاتی ہے البتہ خود وجود کو اپنے موجُود ہونے
میں کسی دوسرے وجُود کی حاجت نہیں اور یہ بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ
ہر شئے کو اپنے روشن ہونے میں نور کی حاجت ہے مگر خود نور کو اپنی
نورانیت میں دوسرے نور کی حاجت نہیں اب اگر دو یا کئی صانع ہوں اور

وہ دونوں وجود میں اشتراک رکھتے ہوں تو ان دونوں کی ذات (یعنی وہ خصوصیاتِ خاصہ جن سے ایک دوسرے سے امتیاز حاصل ہے) وجود کے ماسوا کوئی اور چیز ہو گی اور چونکہ وجود کے سوا سب چیزیں اصل سے معدوم ہیں، اس لئے ہر ایک خدا فی حد ذاتہ وجود سے بالکل خالی ہوگا اور ان پہ وجود اسی طرح عارض ہوگا جس طرح زمین آسمان وغیرہ سب چیزیں جو فی نفسہ تاریک اور مظلم تھیں مگر آفتاب کے نور نے ان کو روشن کر دیا اس صورت میں ہم دونوں خداؤں کو کسی طرح موجود اصلی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ دونوں بھی کسی ایسے موجود اصلی کے محتاج ہوں گے جس کا وجود خود اس کی ذات کے اندر داخل ہو اور ہمارا مقصد بھی توحید سے صرف اتنا ہی تھا کہ موجودات کا سلسلہ ایک موجود اصلی پہ ختم ہوتا ہے چنانچہ یہ بات اس تقریر سے بخوبی حاصل ہو گئی کیونکہ جب موجودات دو خداؤں سے مثلاً پیدا ہوئے اور وہ دونوں ایک موجود اصلی میں شریک اور اصلی سے معدوم ٹھہرے تو یہ معنی ہوئے کہ موجود اصلی کا فیض ان دونوں کے واسطے سے اوروں کو پہنچتا ہے جیسے پرنالہ کے وسیلے سے چھت کا پانی نیچے آتا ہے اور آتشی شیشہ کے طفیل سے آفتاب کی سوزش دوسری چیزوں کو پہنچتی ہے اور قلعی دار آئینہ کے صدقہ سے آفتاب کا نور ان در و دیوار کو پہنچتا ہے جو آفتاب کے مقابل نہیں ہوتے ان تمام صورتوں میں سب کو معلوم ہے کہ چھت کا پانی پرنالہ کی راہ سے آتا ہے۔ پرنالہ سے پیدا نہیں ہوتا۔ آفتاب کی سوزش آتشی

شیشہ کی راہ سے آتی ہے آتشی شیشہ میں کچھ حرارت نہیں آفتاب کا نور آئینہ کی راہ سے اور اشیاء کو پہنچتا ہے آئینہ میں ذرہ برابر نور نہیں تو اسی طرح اگر بہت سے موجود اصلی اور بکثرت صانع موجود ہوں تو توحید میں کچھ رخنہ نہیں پڑ سکتا بلکہ اور یہ زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو جاتی ہے۔

کیونکہ فلک اور زمانہ جو باعتبار شہرت کے ذرائع عالم کا فاعل گنا جاتا ہے یا انسان و حیوان وغیرہ جو ظاہر بینوں کو افعال اختیاریہ کے خالق معلوم ہوتے ہیں یا دوا اور دعا وغیرہ جو بہ نسبت اپنی تاثیروں کے مؤثر حقیقی سمجھے جاتے ہیں یہ سب چیزیں اس وقت بحیثیت اپنے فیوض کے وسیلہ فیض اور واسطۂ ایجاد سمجھی جائیں گی اور ان کے خالق ہونے کا شبہہ جو بعض ظاہر پرستوں کو پڑا ہوا ہے بے محنت حل ہو جائے گا اور اس وقت ہم باآواز دہل یہ ندا دے سکیں گے کہ ماسوا خالق بزرگ کے جو چیزیں ظاہر میں مصدر افعال یا مصدر تاثیرات نظر پڑتی ہیں وہ سب خدائے اکبر کے سامنے ایک کاریگر کے آلات کی طرح ہیں بادی النظر میں ان چیزوں سے کام ہوتا ہے اور حقیقت میں خدا کرتا ہے اعلیٰ طبقہ کے حضرات جیسے نبی ہوں یا ولی اور ادنیٰ درجہ کے مثلاً دیو ہوں یا پری، اوتار ہوں یا فلک دوار، دوا ہو یا دعا، پتھر ہو یا کوئی جاندار چیز زمانہ ہو یا مکان، چاند ہو یا سورج، ستارے ہوں یا اور کچھ، سب کے سب خدا کے سامنے ایسے ہیں جیسے ڈھبی کے سامنے بسولہ نہانی برما وغیرہ فرمانبردار ہوتے ہیں کہ بے ہلائے اس کے نہیں ہلتے اور بغیر اس کی مرضی کے کوئی کام نہیں کر سکتے۔

اور اس سارے سلسلۂ عالم کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشینوں اور کارخانوں اور گھڑیوں وغیرہ میں بہت سی کلیں اور پرزے آگے پیچھے ہوتے ہیں پھر اگر کوئی کام لینا منظور ہوتا ہے اوّل کل کو ہلاتے ہیں اور سب کلیں بہ ترتیب ہلتی ہیں اور آخر میں جو کام مقصود ہوتا ہے وہ اخیر کی کل سے ہوتا ہے اب ظاہر ہے کہ یہ کلیں خود بخود نہیں ہلتیں کیونکہ وُہ بحیثیت حرکت جمادات میں سے ہیں ان کے واسطے جبتک کوئی ذی عقل اور صاحب ارادہ کام لینے والا نہ ہوگا ہرگز کام نہ چلے گا اسی طرح سلسلہ عالم کے واسطے علت العلل اور فاعل حقیقی ایک خُدائے تعالیٰ ہے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ فعل اور حقیر سے حقیر چیز بھی اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر وجُود میں نہیں آسکتی اور کسی شئے کو اس کی سطوت اور حکومت کے آگے دم مارنے کی مجال نہیں جو کچھ وُہ چاہے اس میں کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا اور مقرب سے مقرب بندے بھی اس کے دربار میں بغیر اس کی اجازت کے لب نہیں ہلا سکتے یہی وہ عقیدہ ہے جس کی طرف اسلام نے نہایت زور شور کیساتھ دعوت دی ہے یہی خیال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا سنگ بنیاد ہے اور اسی مضمون کی اشاعت تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد اوّلین ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تمام دُنیا کے مذاہب میں توحید کی فی الجملہ جھلک پائی جاتی ہے اور جن مذاہب میں شرک صریح کی تعلیم موجود ہے وُہ بھی توحید کے بالکلیہ ترک کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ توحید کے چھوڑنے

سے یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ شرک کو توحید کے ساتھ جمع کر لیا جاوے اگرچہ یہ اجتماع اجتماع نقیضین ہی کیوں نہ ہو، لیکن یہ عزت خاص مذہب اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے بالکل خالص اور بے لوث توحید کی طرف لوگوں کو رجوع کیا اور شرک جلی یا خفی کا تسمہ باقی لگا نہیں رکھا اس جہالت اور تاریکی کے زمانہ میں جبکہ دنیا میں خالص توحید سے بڑھکر کوئی گناہ نہ تھا، ہزاروں بندگانِ خُدا کو توحید سے مانوس بنا دیا اور آج تک کروڑہا کروڑ انسانوں کے دلوں سے شرک فی للذات شرک فی الصفات اور شرک فی العبادۃ کی ظلمتوں اور کدورتوں کو دھو ڈالا۔

کیا اسلام کی اس بے غل وغش توحید کا مقابلہ اس قوم کی توحید کر سکتی ہے جس نے خُدا کے سوا ہر اینٹ پتھر کے سامنے گردن ڈالدی اور آگ پانی وغیرہ کو بھی قابلِ پرستش سمجھا اور اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مورتیوں کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کیا، اس قوم کی جن کے خُدا کی تکمیل مادہ اور روح سے ہوتی ہے ان کا کمزور خدا ان دونوں کے منشا کے خلاف نہ کبھی کوئی کارروائی کر سکتا ہے اور نہ ان سے بگاڑ کر ایک دم اپنی خدائی کو قائم رکھ سکتا ہے یا اس قوم کی جنکا مثلث خُدا اپنی کرسی عظمت سے اتر کر تمام انسانی حوائج اور بشری خصوصیات کا محکوم بنا اور بنی آدم کی خطائیں معاف کرنے کے واسطے اس کو سخت تکالیف اور مشقتیں برداشت کرنا پڑیں، یا اس قوم کی جن کا خدا خلقت کے بے سوچے سمجھے پیدا کرنے پر سخت نادم ہوا اور دنیا میں طوفان آجانیسے اسے بیحد ملول ہونا پڑا یہاں

تک کہ روتے روتے اس کی آنکھیں سوج گئیں اور ملائکہ کو اس کی عیادت کرنی پڑی اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب اس کی کشتی ہوئی تو انہوں نے اس کو زمین پر پٹک دیا۔

کیوں منصفو! کیا ایمان سے کہہ سکتے ہو کہ آج صحیح اور مکمل توحید ان میں سے کس مذہب کی بدولت دنیا میں نظر آ رہی ہے۔

نبوّت

ان تمام مراحل کے بعد جو ہم نے یہاں تک طے کئے ہیں سب سے زیادہ ضروری اور معرکتہ الآرا بحث جو باقی رہ جاتی ہے وہ نبوّت کی بحث ہے اور افسوس کہ جس قدر وقت اس کے لئے درکار ہے اس کا عشر عشیر بھی ہمارے پاس موجود نہیں لیکن اس پر بھی ہم نے کسی حال میں مناسب نہیں سمجھا کہ اسلام کے اتنے بڑے رکن اعظم کو بالکلیہ قلم انداز کر دیا جاوے ہاں یہ ممکن ہے کہ یہاں پر ایک اجمالی بحث اس کے متعلق لکھ کر تفصیل تام کو اسی ضخیم کتاب کو اوپر اٹھا رکھیں جس کی امید ہم پہلے دلا چکے ہیں، تاکہ ہمارے سامعین کے دلوں میں اگر کوئی گھبراہٹ اور تشویش پیدا ہو تو وہ اس سے اپنی تسکین کریں۔

نبوّت کا عقدہ حل ہونے سے پہلے ہر انسان پر یہ فرض ہے کہ وہ اسباب اطاعت پر غور کرے یعنی یہ کہ ایک آدمی کی اطاعت دوسرے

پر عقلاً کن حالتوں میں اور کن وجوہات سے ضروری سمجھی جاتی ہے اس بارے میں جہاں تک تامل سے کام لیا گیا کل تین سبب اس کے متعین ہوئے جلب منفعت، دفع مضرت اور عشق و محبت، چنانچہ نوکر اپنے آقا کی اطاعت ملازمت کی اُمید پر اور رعیت اپنے حاکم کے اندیشۂ تکالیف سے اور عاشق اپنے محبوب کی بتقاضاء محبت کرتا ہے اور اطاعت کی کوئی ایک فرد بھی ایسی نظر نہیں آتی جو ان تینوں وجوہات سے خالی ہو اب اگر یہ تینوں سبب فرض کرو کسی ایک ہی شخص میں جمع ہو جائیں تو فطرت انسانی یقیناً اس کی خدمت و اطاعت کو فرض عین قرار دے گی۔ پس جبکہ پچھلے اوراق میں حق تعالےٰ شانہ کی نسبت مدلل طریقہ سے یہ طے ہو چکا ہے کہ دنیا کے تمام کام اسی کے ارادہ اور اختیار سے انجام پاتے ہیں اور ہر قسم کی داد و ستد، سلب و عطا، اور نفع اور ضرر اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر قسم کا کمال اور حسن و خوبی اسی کی ذاتِ اقدس میں موجود ہے اور اس کے سوا کوئی عالم کا مربی اور محسن بھی نہیں ہے تو بے شبہ عقل کے نزدیک ایسی خدا کی عبادت سے سرِ مو انحراف جائز نہ ہوگا اور یہ لازم ہوگا کہ اسی کی خدمت گزاری میں آدمی مصروف رہے اسی کا ہر دم دھیان رکھے اور اسی کی محبت میں اپنے کو دیوانہ بنائے، جیئے تو اسی کے نام پر جیئے، اور مرے تو اسی کا کلمہ پڑھتا مرے۔ غرض کسی حالت میں اس سے جدا نہ ہووے اور ظاہر و باطن میں اسی کا تابع فرمان رہے۔

باطن کی فرمانبرداری تو یہی ہے کہ دل میں خدائے تعالیٰ کے متعلق

یہ یقین ہو کہ ہماری ہستی اس کی ہستی کے سامنے بالکل حقیر اور اس کا وجود ہر طرح پُر عظمت اور کامل اور مکمل ہے۔ ہمارے ہر قسم کے نفع و نقصان کا اختیار اُسی کو ہے اور وہ ہمارا حاکم ہم محکوم ہیں اس میں اعلیٰ درجہ کی شانِ محبوبیت موجود ہے اور ظاہری فرمانبرداری وہ افعال و حرکات ہیں جن سے ہمارے اُنہیں اندرونی جذبات اور باطنی اعتقادات کا سراغ ملتا ہو اور خدا کی محبوبیت کا خیال ان سے مترشح ہوتا ہو۔

مثلاً خدائے تعالیٰ کے سامنے اس کی خاص تجلی گاہ کیطرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اس سے اپنے حال کے متعلق عرض معروض کرنا ادھر سے حکم آجانے پر سرِ نیاز جھکا دینا، اور اس کے آستانہ پر اپنے کو ذلیل و حقیر سمجھ کر ناک اور پیشانی رگڑنا یہ سب آثار محکومیت اور آداب شاہی کے قائمقام ہیں، علیٰ ہذا القیاس اپنے مال و دولت کو خدا کے بتلائے ہوئے مصارف میں خرچ کرنا اور ہر آمد و صرف میں اس کے حکم کا منتظر رہنا یہ بھی سراپا اطاعت ہونے کے لوازمات میں سے ہے،

پھر اگر خدائے تعالیٰ کو محبوب حقیقی سمجھتا ہے تو اس کے قرب و صل کی فکر میں ہر ایک ماسوا سے بیزار ہو جانا آب و طعام اور لذت جماع کو (جو کہ خلاصہ تمام کائنات کا ہے) ترک کر دینا اس کے بعد تجلی گاہِ ربانی کی طرف پا برہنہ سر برہنہ لبیک کہتے ہوئے دوڑنا اور وہاں پہنچکر کبھی حالت شوق و وجد میں اس تجلی گاہ کے گرد گھومنا کبھی جنگلوں میں بھٹکتے پھرنا کبھی دشمن محبوب کے خاص مکان پر سنگ باری کرنا اور کبھی جان و

مال سے فدا ہونے کے لئے تیار رہنا یہ سب محبت قلبی کی علامات اور عشق حقیقی کے ظاہری نشانات ہوں گے، الغرض یہ امر تو اب عقلاً پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ دل سے زبان سے ہاتھ پاؤں سے جس طرح بھی بن پڑے آدمی اپنے خالق کی اطاعت کی طرف متوجہ رہے اور ہرگز اپنا روئے نیاز دوسری جانب نہ پھیرے، لیکن سخت مشکل یہ تھی کہ کسی کی اطاعت بغیر اس کے متصور نہیں کہ ہم کو اس کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں کا علم ہو اور خدائے تعالیٰ کی نسبت یہ دریافت کرنا کہ وہ کن امور سے خوش اور کن امور سے ناخوش ہوتا ہے ہر شخص کی قدرت سے باہر تھا، کیونکہ محض اپنی عقل سے اگر ہم نے چند احکام معلوم کر لئے تو اوّل تو تمام احکام کی تفصیل اس سے معلوم نہیں ہو سکتی، دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ شانہٗ ہماری عقل کا ہر بات میں پابند بھی نہیں ہو سکتا اس بنا پر خدائے تعالیٰ کی اطاعت و عبادت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ خود خدائے برتر اپنی رضا و عدم رضا سے بندوں کو مطلع فرمائے۔

اور یہ خوب معلوم ہے کہ جب سلاطین دنیا اس تھوڑی سی نخوت و تکبر اور ذرا سے جھوٹے استغنا پہ ہر دو کان دوکان اور مکان مکان اپنے احکام سناتے نہیں پھرتے، اور نہ ان کو یہ گوارا ہے کہ ہر کس و ناکس کو اپنے مافی الضمیر کی اطلاع کے واسطے ہمکلامی بخشیں تو کیا وہ احکم الحاکمین وراء الوراء ثم الوراء جس کو تمام عالم سے بالکل استغنا اور سب چیزوں کو اس کی احتیاج ہے ہر ایک عام و خاص اور ہر ایک رند بازاری کو منہ لگاتا اور

اپنی حضوری و ہمکلامی سے باریاب فرمانا پسند فرمائے گا جب ایسا نہیں تو بیشک خُدا کے یہاں بھی کچھ لوگ ایسے خاص ہوں گے جیسے بادشاہوں کے یہاں وزیر یا نائب السلطنت یا وائسرائے اور جیسا کہ تمام سرکاری احکام رعایا کے پاس انہیں صاحبوں کے توسط سے پہنچتے ہیں ایسے ہی خُدا کے پیغام اور امر و نواہی ان معتمدین کے ذریعہ سے ہم تک موصول ہوں گے ہم انہیں معتمدین کو انبیاء رسُول اور پیغمبر کہتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ جس زمانہ میں خُدائے تعالیٰ سمجھتا ہے، ایسے رسُولوں کو اس زمانہ کے مناسب ہدایات دے کر مبعوث فرما دیتا ہے۔

یہاں پر تُم کو شاید یہ شُبہ گذرے کہ مختلف قرون میں جب انبیاء علیہم السلام تشریف لاویں گے اور ظاہر ہے کہ ان میں سے مؤخر کی شریعت مقدم کی شریعت کے واسطے ناسخ ہوگی تو وہم یہ ہوتا ہے کہ ... پہلے نبی کے بھیجنے میں شاید خُدائے تعالیٰ سے کچھ سہو ہوگیا تھا یا بھُول چُوک سے اُس کو مناسب احکام دیئے تھے جو دُوسرے نبی کے ذریعے سے اس غلطی کی اصلاح کرائی گئی، مگر یہ شُبہ آپ کا سراسر کم فہمی اور ناوانی پر مبنی ہے، نسخ کے معنی صرف تبدیلی احکام کے ہیں یہ آگے آپ کا قیاس ہے کہ وہ تبدیلی پہلی غلطی کی اصلاح کی وجہ واقع ہوئی ہوگی۔

خُدائے برتر کی نسبت ایسا خیال باندھنا سخت گستاخی ہے۔

آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ طبیب اگر کسی مریض کو مسہل دینا چاہتا ہے تو اُس کے لئے پہلے منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے، چند روز بعد وہ نسخہ

بدل کر مسہل کا نسخہ پلاتا ہے تو کیا آپ نے اس طبیب کی نسبت بھی یہی رائے قائم کی ہے کہ اس سے منضج کا نسخہ دینے میں غلطی ہو گئی تھی جس کی مکافات وہ دوسرے نسخے سے کر رہا ہے، جب یہاں آپ نے ایسا نہیں سمجھا تو خدائے تعالیٰ کے معاملہ میں آپ کو کس چیز نے مجبور کیا ہے کہ بلا وجہ ایک ایسا مہمل خیال پیدا کر لیں کیوں یہ نہیں مان لیتے کہ اس نے بھی ہر زمانہ کی طبیعت اور مزاج کا اندازہ کر کے اس کے موافق مختلف احکام جاری کر دیئے ہیں، اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ باقی یہ خلجان کہ کیا خدائے برتر اس پر قادر نہیں تھا کہ ابتدائے عالم میں ہی کوئی ایسی مکمل کتاب ہدایت کے لیئے نازل فرما دیتا جس میں ہر زمانہ کے تغیرات کی رعایت کر لی جاتی اور اس کی حاجت نہ رہتی کہ بار بار وہ اپنے سچے الہام میں دست اندازی کرے۔ اس کی بابت میں عرض کرتا ہوں کہ بیشک خدا اگر اس پر قادر تھا تو کیا اس پر قادر نہ تھا کہ بغیر نطفہ اور خون بننے، رحم مادر میں پرورش پانے اور بتدریج نشو و نما کرنے کے ایک کامل و مکمل انسان دفعتاً پیدا کر دیتا (جیسا کہ آریہ سماج اپنے چار رشیوں کی نسبت کہتے ہیں) یا بغیر تخم ریزی آب پاشی وغیرہ سامان زراعت کے خود بخود تمام نباتات کو زمین سے اُگا دیتا اگر اس نے باوجود قدرت کے ان جسمانیت میں (نعوذ باللہ) یہ دردسری اٹھائی تو روحانیت میں بھی اس کو اپنی اسی عادت سے معذور سمجھنا چاہیئے اور اگر وہاں اس تدریجی ترقی میں کچھ خاص حکمتیں اور مصلحتیں متعلق ہو سکتی ہیں تو یہاں اسی قسم کی مصلحتوں کا لحاظ کرنے سے کونسی چیز

مانع ہے ؟

بہر کیف اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ عین حکمت اور رحمت ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ ان مختلف تخم ہائے اخلاق کی (جو ازل سے قلوب بنی آدم کی زمینوں میں ڈالدیئے گئے ہیں) تربیت اور نشو و نما کے واسطے اپنی رحمت کے بادل بھیجے اور بادلوں کے برسنے سے جس زمین میں جیسا کچھ اچھا یا برا بیج بویا گیا ہے، اس کو ترقی اور نشو و نما حاصل ہو وہ ابرہائے رحمت جیسا کہ بلال رضؓ اور سلمان رضؓ کے کھیتوں کو سرسبز و شاداب کریں ایسے ہی ابوجہل وغیرہ کے دلوں میں جو کفر و شقاوت کا بیج بکھیر اگیا ہے اس میں بھی جان تازہ ڈال دیں ان ہی سحابہائے معارف کو انبیاء کہا جاتا ہے۔ ان کے آثر کو تقویت پہنچانے والوں کا نام ملائکہ ہے اور ان کی تدابیر کی رہنمائی کرنے والوں کو شیاطین کا لقب دیا جاتا ہے۔

ملائکہ اور شیاطین

ملائکہ اور شیاطین کا لفظ سنکر بعض منکرین کو شاید ہم پر غصہ آجائے اور وہ اس قصور پر یہ کہ ہم نے ان کے نزدیک چند فرضی چیزوں کا نام لے دیا ہے کہیں ہمارے تمام سابق بیانات کو واقفیت سے دور نہ سمجھ بیٹھیں اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کی بھی کچھ مختصر تشریح کر دی جائے۔

یہ خوب یاد رہے کہ باجماع اہلِ عقل جسمِ انسان کی ترکیب چند ایسے مختلف عنصروں سے دی گئی ہے جن میں سے ایک عنصر کی تاثیر دوسرے کے مخالف اور متضاد ہے مثلاً بدن انسان میں گرمی کے آثار پائے جانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اقوام میں کوئی حصّہ آگ کا موجود ہے اور سردی کی کیفیات محسوس ہونے سے جزوِ ہوائی کا تیقن ہوتا ہے، اور خشکی سے جزوِ خاکی کا ثبوت اور تری سے جزوِ آبی کا پتہ چلتا ہے گویا کہ مٹی پانی، ہوا، اور آگ میں سے ہر ایک کا بقدر مناسب حِصّہ لے کر جسم کا خمیر بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد جب حکمأ نے دیکھا کہ جو آدمی پیدا ہوتا ہے اس میں یہ چاروں اجزاء ضرور ملے ہوئے ہوتے ہیں تو انہوں نے ایسے چار خزانوں کا کھوج لگایا جن میں یہ چاروں چیزیں الگ الگ بافراط موجود ہوں اور جن میں سے تھوڑا تھوڑا لے کر خدائے تعالیٰ نے آدم کے جسم کو ترکیب دیا ہے۔ اس قسم کے چار خزانوں کے نام انہوں نے کرۂ ارض، کرۂ ہوا، کرۂ نار، اور کرۂ آب اور ان میں سے ایک ایک کو حرارت، برودت، رطوبت، یبوست کا منبع اور معدن قرار دیا۔

ٹھیک اسی طرح رُوح انسان کی ترکیب اور اس کا امتزاج ایسے دو متضاد اور معارض اجزاء سے واقع ہوا ہے جس کی بنا پر انسان کبھی نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور کبھی بدی کی طرف اس کی رغبت ہوتی ہے، کیونکہ جس طرح کسی نے خدائے تعالیٰ کو آدم کا خمیر بناتے نہیں دیکھا بلکہ صرف یہ سمجھ کر کہ رطوبت، اور یبوست مثلاً دو متضاد اثر ایک ہی چیز سے پیدا

نہیں ہوتے ، یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یقیناً جسم کی ترکیب آب و خاک وغیرہ سے ہوئی ہے ، اسی طرح طاعت و معصیت کی طرف میلان جو ایک ہی آدمی سے متفرق اوقات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے اس کے بغیر جوڑ نہیں کھاتا کہ رُوح کی ترکیب بھی دو مختلف قسم کی اشیاء سے مانی جاوے ، اور جب یہ ہے تو جیسا کہ عناصر جسم کے لئے علیحدہ علیحدہ چار مخزن تسلیم کر لئے گئے تھے ایسا ہی ان دونوں رُوحانی جزوں کے واسطے بھی مخلوقات میں دو مخزن مان لئے جاویں تو کیا استبعاد ہے۔ پس خدا کی وُہ مخلوق جس میں ہمیشہ امور خیر اور نیکی ہی کی طرف توجہ پائی جاوے اور ان کا طبعی اقتضاء طاعت ہی ہو اور ان کی صرف یہی شان ہو کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ اسی مخلوق کو ہم ملائکہ اور فرشتوں سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں وُہ گروہ جس کی طبیعت میں معصیت ہی معصیت رکھی ہو اور اطاعت و عبادت سے اس کا پیمانہ بالکل خالی ہو اور اس کی حالت محض وَکَانَ الشَّیْطَانُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ہی سے ادا کی جاسکتی ہو ایسے گروہ کو ہم شیاطین کا لقب دیتے ہیں

اس پر بھی اگر ہم سے کوئی مہربان آریہ دریافت کریں کہ گو عقلی دلائل سے ایسی چیزوں کا وجُود ثابت ہو سکتا ہے مگر ہم نے اور کسی نے آج تک اُن کو نہیں دیکھا اور رجماً بالغیب ایمان لانے کو ہمارا دل گوارا نہیں تو ہم اُن حضرات کی خدمت باادب گزارش کریں گے کہ آپ نے وُہ تین حِصّے بذاتِ خود روشن دُنیا کے جو ہماری دُنیا سے بالکل علیحدہ ہیں ،

اور جن کا ذکر یجر وید کے تیسرے منتر میں موجود ہے کب اور کس وقت اور کس جگہ مشاہدہ کئے ہیں۔ اور اگر کئے ہیں تو کیا آپ دوسرے لوگوں کو ان کا مشاہدہ کرانے کے لئے تیار ہیں دیکھئے اب آپ خود اس منتر کا ترجمہ بھاشیہ بھومکا صفحہ ۸۶ میں ملاحظہ فرمایئے کہ گذشتہ و آئندہ و موجودہ جس قدر کائنات ہے اس سب کو پرماتما پرش کے مہما یعنی عظمت کا نشان سمجھنا چاہیئے۔"

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ محدود کائنات کو اس کی عظمت کا نشان بنانے سے اس کی عظمت محدود ہو جاتی ہے اس کا جواب اسی منتر میں آگے دیتے ہیں کہ اس کی عظمت اس پر محدود نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور غیر محدود ہے پرکرتی سے لے کر زمین تک تمام (لطیف و کثیف) کائنات اس غیر متناہی قدرت والے ایشور کے ایک پہلو میں قائم ہے اس کی ذات پر نور میں امرت (عالم عرفانی یا موکش کا سکھ) موجود ہے یعنی تین حصے کائنات عالم لطیف و روشن میں موجود ہے گویا غیر روشن دنیا ایک حصہ ہے اور بذات خود روشن دنیا اس سے تگنی ہے اور اور وہ ایشور عین راحت موکش سورپ حاکم کل معبود کل عین مسرت اور سب کو روشن و منور کرنے والا ہے"۔ اس عبارت کو سننے کے بعد بھی کیا ہندوستان کی پرجوش سوسائٹی کا کوئی ممبر جن و ملک یا بہشت دوزخ کے وجود سے انکار کر سکے گا۔"

نبی کی علامات

منکرین کے شبہات کا حل کرنے میں چوں کہ اب ہم اپنے اصلی مقصد سے دور نکل گئے ہیں اس لئے ہم کو اسی طرف پھر عود کرنا چاہیئے اور یہ بتلانا چاہیئے کہ کسی شخص کو رسول برحق ماننا کن شرائط پر موقوف ہے آیا جو کوئی بھی دعوۂ نبوت زبان سے کرنے لگے یا جو کوئی بھی دُنیا کو چند عجیب وغریب تماشے دکھلا دے یا جو کوئی بھی دو چار ہزار مرید جمع کر لے اسی کو ہم نبی اور پیغمبر مان لیں یا نبوت کیواسطے کوئی معیار ایسا تجویز کیا گیا ہے جس کے ذریعہ سے ماہر طبیبوں کو اشتہاری حکیموں سے جدا کیا جا سکے رہبر اور رہزن کے پہنچاننے میں دھوکہ نہ لگے اور محافظوں کی جماعت پر لیڈروں کا اشتباہ نہ ہو۔

بلاشبہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبکہ انبیاء علیہم السلام خدا کے معتمد، اس کے وکیل اس کے رازدار اور اس کے نائب ہیں تو ان کی ذات میں ایسے پاکیزہ اوصاف اور حقیقی خوبیاں مجتمع ہونی چاہئیں جو ایک ایسے باخبر شہنشاہ اعظم کا قرب حاصل کرنے کے لئے درکار ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ سلاطین دُنیا بھی جن کو کچھ عقل ہو باوجود اس مجازی حکومت کے اپنی مسند قرب پر ان لوگوں کو نہیں بٹھلاتے جو بے عقل، کج خلق پست حوصلہ یا حکومت کے دشمن ہوں، چہ جائیکہ خدائے برتر اپنے منصب

وزارت کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب کرے جن کی اخلاقی حالت نہایت پست عملی حیثیت نہایت ذلیل اور عقلی قوتیں نہایت کمزور ہوں اور بجائے ہدایت پھیلانے کے گمراہ کرنے میں زیادہ مشتاق ہوں اور لوگوں سے بمقابلہ خدا کی عبادت کرانے کے اپنی پرستش کے زیادہ متمنی ہوں۔ اگر نعوذ باللہ خدائے عزوجل ایسا کرے تو یوں کہو کہ وہ خدا بالکل بے خبر اور جاہل بندوں سے عداوت رکھنے والا ہے جس کو اتنی بھی خبر نہیں ہے کہ میں جس شخص سے جو کام لینا چاہتا ہوں وہ اس کی اہلیت نہیں رکھتا۔

تو اس صورت میں یہ واجب ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں اوّلاً تو خدا کی محبت اور اخلاص اس درجہ ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجائش ہی نہ نکلے۔ دوسرے یہ کہ اخلاق پسندیدہ جو اعمال حسنہ کی جڑ ہیں، ان کے اندر فطرتی طور پر راسخ ہوں تاکہ جو کام بھی وہ کریں قابلِ اقتداء اور جو فعل بھی اُن سے سرزد ہو باعثِ ہدایت سمجھا جائے۔ تیسرے یہ کہ فہم و فراست انہیں امتیوں کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ہو کیونکہ کم فہمی فی نفسہٖ عیب ہونے کے علاوہ اس وجہ سے بھی ان کے حق میں مضر ہے کہ کلام خداوندی کے اسرارِ غامضہ کا سمجھنا اور دقیق علل پر مطلع ہونا اور ہر ایک ذکی و غبی کو احکام الٰہی دلنشین طریقے سے سمجھا دینا بغیر عقل صحیح اور فہم کامل کے ہرگز متصور ہی نہیں۔

یہی تین اصول ہیں جو ایک مدعی نبوت کی صداقت کا ہم کو ایک ایسے زمانہ میں پتہ دے سکتے ہیں جس میں کسی نبی کی بعثت کا احتمال ہو سکتا ہو

باقی معجزات وہ اگرچہ اصل نبوّت کے اعتبار سے ضروری نہیں لیکن مدعی نبوت سے ان کا صادر ہونا بیشک اس کی راست بازی کی دلیل ہے کیونکہ اگر ایک شخص مثلاً سلطان روم کے رُوبرُو لوگوں سے یہ کہے کہ میں سلطان کا معتمد اور محبوب ہوں اور اس کی دلیل یہ بیان کرے کہ دیکھو جس طرح میں اُن سے کہونگا برابر وہ اسی کے موافق کریں گے اور جو فرمائش کروں گا اس کو پورا کرکے دکھلائیں گے یہ کہہ کر سلطان کو کھڑا ہونے کی طرف اشارہ کرے اور کھڑے ہو جائیں پھر ان سے بیٹھنے کو کہے اور وہ معاً بیٹھ جائیں اور اس طرح لگاتار بہت سے کاموں کی خواہش کرتا رہے اور وہ بھی ایک ذرہ اس کے خلاف نہ کریں اور فرض کرو کہ وہ سب کام سلطان کی عادت مستمرہ اور مزاج کے خلاف بھی ہوں توکیا کسی جاہل اور معاند کو بھی ایسی حالت میں اس شخص کے دعوے کی تصدیق میں کچھ تردّد رہے گا، اور کیا کوئی بیوقوف بھی یہ حجّت کرے گا کہ دعویٰ تو اس کا محبوب اور معتمد ہونے کا تھا اور اس کے معتمد ہونے اور سلطان کے کھڑے ہونے میں کوئی مناسبت نہیں اس لئے اس سے اس پر کوئی استدلال نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ سلطان اپنی زبان سے اس کے معتمد ہونے کا اقرار نہ کرے۔

ایسے ہی احمق سے کہنا چاہیئے کہ تصدیق دعویٰ دو طرح پر ہوتی ہے ایک حالی اور ایک مقالی تو گو اس جگہ زبانی اور قولی تصدیق سلطان کی جانب سے نہیں پائی گئی مگر حالی تصدیق جو اس سے بھی بڑھ کر ہے حاصل ہو گئی یہی حال بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ہوتا ہے کہ وہ اپنی نسبت خدا

کا وزیر اور معتمد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور خدا ہر وقت اور ہر جگہ ان کے دعویٰ کو سنتا ہے پھر وہ عادت اللہ کے خلاف بہت سے کاموں کی فرمائش کرتے ہیں تاکہ ان کے دعویٰ کی سچائی دنیا پر ظاہر ہو جاوے اور خدائے تعالیٰ برابر ان کے حسب مدعا فرمائشوں کو پورا فرماتا رہتا ہے تو کیا منجانب اللہ یہ ان کے دعویٰ کی حالی تصدیق نہیں ہوئی اور ظاہر ہے کہ جھوٹے آدمی کی تصدیق کرنا خود جھوٹ کی ایک قسم ہے تو اس سے (اس مدعی کے کاذب ہونے کی صورت میں) خدائے برتر کا کذب ثابت ہوا (نعوذ باللہ منہ) حالانکہ خدائے تعالیٰ کا خالق کذب ہونا تو ضروری لیکن قولاً وعملاً کاذب ہونا محال ہے'

اب اگر کسی کو یہ وہم گذرے کہ یہ سب تقریر اس وقت قابل تسلیم ہے جبکہ معجزہ یا خوارق عادت کا وجود ممکن ہو حالانکہ اس کا امکان ابھی محل تردد میں ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہم معجزہ اسی کو کہتے ہیں کہ جو عقلاً محال نہ ہو لیکن خلاف عادت ہو اور خلاف عادت کے بھی یہ معنی ہیں کہ علم عادت کے خلاف ہو کیونکہ معجزہ بھی ہمارے نزدیک خدا کی خاص عادت ہے جو خاص خاص اوقات میں خاص خاص مصلحتوں سے ظاہر ہوتی ہے اور جیسا کہ زید مثلاً ہمیشہ سے قمیض پہننے کا عادی ہو، مگر عید کے روز ہمیشہ اچکن پہنا کرے، تو گو اچکن پہننے کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ زید کی عام عادت کے خلاف ہے مگر ایک حیثیت سے یہ بھی اُس کی عادت میں داخل ہے اسی طرح آگ سے کسی چیز کا جلا دینا اگرچہ خداوند تعالیٰ کی عام عادت لیکن بعض مواقع میں جبکہ کسی نبی کی تصدیق یا اور کوئی مصلحت ملحوظ ہو تو آگ سے وصف احراق سلب کر لینا بھی اسی کی

خلاف ہے کیونکہ ثابت ہوچکا کہ تمام اسباب و مسببات میں جو کچھ تاثیر ہے وُہ خدا کے ارادہ سے ہے وُہ جب چاہے سبب کے وجود کو مسبب سے اور مسبب کے وجُود کو سبب سے علیحدہ کر سکتا ہے تو جب مشاہدہ سے یا نہایت ثقہ راویوں کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا اور بہت سے معجزات دکھائے اور تمام عمر میں کسی ایک بات میں بھی اس کے کہنے کے خلاف نہ ہُوا ہو تو بلے شک و شبہ ایسے شخص کو نبی سمجھنا چاہیئے کیونکہ نبی کاذب کی تصدیق خدائے تعالےٰ قولاً یا عملاً ہرگز نہیں کر سکتا، اور وُہ اگر ایسا کرے تو وہ من جملہ رحمت نہ ہوگا۔

مجھ کو افسوس ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض عقلاء کو معجزات کے ممکن الوقوع ہونے سے انکار ہے اور طرفہ تماشہ یہ کہ وقوع کی صورت میں وُہ ان کے نزدیک دلیل نبوت بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کو اب تک یہ معلوم نہیں ہوُا کہ مُوسیٰ کے نبی ہونے اور لاٹھی کے سانپ بن جانے میں کیا تعلق پایا جاتا ہے جو ایک سے دُوسرے پر استدلال ہو سکے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

میرا قصد تھا کہ اس بحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھتا اور ان عقلاء کے خیالات کی پوری جانچ کرتا مگر تنگیٔ وقت سے مجبُور ہو کر اس مسئلہ کو بھی دُوسرے مسائل کی طرح اسی کتاب موعُود کے حوالے کرتا ہُوا خاص سرورِ کائنات آقائے نامدار محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم رسالت کے متعلق کچھ تھوڑا سا لکھنا چاہتا ہُوں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

اس بدیہی معیار رسالت کے مان لینے کے بعد جو میں عرض کر چکا ہوں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت بالکل آسان ہو جاتا ہے کیونکہ آپ کے بیشمار علمی و عملی کارنامے اس وقت بھی دنیا کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہیں اور نہ تمام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے معجزات مل کر آپ کے معجزات کی ہمسری کر سکتے ہیں آپ کے فہم و اخلاق کا موافق و مخالف کو اعتراف کرنا پڑا ہے اور چار دانگ عالم میں آپ کی صداقت کا سکہ بیٹھ گیا ہے اور دنیا کے ہر خطہ میں آپ کا آفتاب فیض لمعہ افگن ہے،

جب ایک غیر متعصب اور عقلمند آدمی آپ کے احوال کا انبیاء سابقین کے احوال سے اور آپ کی تعلیم کا ان کی تعلیم سے اور آپ کی قوت و ہمت کا انکی قوت و ہمت سے مقابلہ کرے گا تو یہی اس کے لئے ضروری ہوگا کہ آپ کی محض صداقت کا نہیں بلکہ رسالت کا اور رسالت کا نہیں بلکہ ختم رسالت کا زبان و دل سے اقرار کرے۔ عرب کی جہالت درشت مزاجی گردن کشی کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی کتاب اس کے پاس آسمانی ہو نہ زمینی اور اس کے اخلاق کا یہ حال کہ قتل و غارت وغیرہ ایک معمولی حرکت ہو، عقل و فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوجنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کرے جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے ملک

میں شاد و خرم عمر گزارے۔ ایسے جاہلوں اور خود سروں کو راہ پہ لانا ہی دشوار تھا چہ جائیکہ علم الٰہیات، علمِ معاملات، علم عبادات، علم اخلاق اور علم سیاست میں رشکِ حکما نامدار بنا دیا یہاں تک کہ دنیا نے ان کی اور ان کے شاگردوں کی شاگردی کی۔ ڈاکٹر لیبان کہتا ہے "اس پیغمبر اسلام، اس نبی امیؐ کی بھی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے جس کی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہیں آئی تھی رام کیا اور اس درجہ پر پہنچایا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا اور اس وقت بھی وہی نبی امیؐ اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگانِ خدا کو کلمۂ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے۔

اگر انصاف کرو تو آپ کے حسن اخلاق کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نہ کہیں کے بادشاہ تھے نہ بادشاہ کے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے نہ کچھ زیادہ مال و دولت آپ نے جمع کر رکھا تھا۔ نہ باپ دادا نے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا نہ آپ کے پاس تنخواہ دار فوج تھی نہ اہلِ وطن آپ کے ہمراہ تھے نہ قبیلے والوں کو آپ کے مذہب سے ہمدردی تھی۔ ایسی بیکسی اور بے بسی کی حالت میں آپ نے ان تند خو گنواروں کو ایک صدائے نامانوس سے مخاطب کیا کہ جس سے بڑھ کر اس وقت تک ساری دنیا میں کوئی ناپسند آواز نہ تھی اور نہ ایسی صدا دینے والے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی شخص ان کا دشمن اور بدخواہ سمجھا جا سکتا تھا۔ یہ وہی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز تھی کہ جس نے دفعتاً تمام عرب میں تہلکہ ڈال دیا جس سے باطل معبودوں کی

حکومت میں بونچال آنا شروع ہوگیا اور جس کی چمک سے اس کفر اور جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوندگئی گویا وُہ ایک زور شور کی ہُوا تھی جس کے چلتے ہی شرک و بُت پرستی کے بادل چھٹ گئے اور آفتاب توحید ابر کے پردہ سے باہر نکل آیا یا ابابیل رحمت تھی جس کی بوچھاڑ نے مخلوق پرستی کے سیاہ ہاتھوں کے پرخچے اڑا دیئے اور خدا کے گھر کو ان کی زد سے بچالیا،

غرضیکہ ایک ایسے بے یار و مددگار نے ایسی سخت قوم کو ایسے ظلمت کے زمانہ میں ایسے اجنبی مضمون کی طرف اُبھارا اور تھوڑے سے عرصہ میں ان سب کو ایسا مسخر اور گرویدہ بنالیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں خون گرانے کے لئے تیار ہوگئے گھر بار کو ترک کردیا زن و فرزند سے بگاڑ لی۔ مال و دولت کو سنگ ریزوں سے زیادہ حقیر سمجھا اپنے بیگانوں سے آمادہ جنگ و پیکار ہوئے کسی کو آپ نے مارا کسی کے ہاتھ سے آپ مارے گئے۔ پھر دو چار روز کا ولولہ نہ تھا بلکہ آپ کے بعد بھی اسی حالت پر استقلال کے ساتھ جمع رہے یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے۔ فارس و روم کو تہ و بالا کردیا اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکری نے سوائے مقابلہ جہاد کسی کی ایذا رسانی یا ہتک ناموس کو گوارا نہ کیا یہ تسخیر اخلاق بتلایئے۔ اس سے پہلے زمانہ میں بھی کسی سے ظاہر ہوئی ہے اتنی بھی اگر کوئی یہی کہے کہ نہیں اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے تو فی الواقع اس سے زیادہ کور چشم تنگ دل متعصب کوئی نہیں ہوسکتا، کاش کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے اور وُہ اپنے اسلام کا

واقعہ ان کے سامنے بیان فرماتے یا سلمان فارسی سے جا کر ان کی داستان سنتے یا عبداللہ بن سلام خدمت میں اپنا اعتراض پیش کرتے اور وہ ان کو اس کا جواب سمجھاتے۔

مگر یہ تو آپ کے اخلاق کی حالت تھی باقی آپ کے علم و فہم کا نشان سب سے بڑا یہی ہے کہ آپ بذاتِ خود امی محض، جس ملک میں پیدا ہوئے، جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گذاری علوم سے یک لخت خالی نہ وہاں علوم دینی کا پتہ نہ علوم دنیاوی کا نشان پھر اس پر ایسا دین، ایسے آئین، ایسی کتاب لاجواب، اور ایسی ہدایات بینات لائے کہ آج تک بڑے بڑے حکماء اس کا جواب نہ لا سکے بلکہ بڑے بڑے مدعیانِ عقل و تہذیب نے اس کی داد دی قرآن جیسا زندہ اور علمی معجزہ کس پیغمبر کو دیا گیا جس کا مقابلہ کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار علوم و معارف کے اور کیا باعتبار تحریف و تبدیل سے محفوظ رہنے کے دنیا کی کوئی کتاب نہیں کر سکتی اور نہ انشاء اللہ تعالیٰ کر سکے گی۔ قرآن کے حق میں ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ جو خود قرآن تیرہ سو برس سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے یعنی یہ کہ جس میں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھدے مگر آج تک کسی کا حوصلہ نہ ہوا اور نہ ہوگا اور اس کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثال بھی پیش کر سکے

اب میں اس کے سوا کیا کہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اپنی عادات و اخلاق میں تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق تھے۔ ایسے ہی علوم کے بھی سارے مراتب آپ پر تمام کر دیئے گئے تھے، کیونکہ انبیاء سابقین ہیں نہ ایسا

اعجاز علمی کسی کو دیا گیا نہ اُن کے اتباع میں کسی نے اُن علوم کے دریا بہائے
جو اہل اسلام کے بہائے ہیں اور جبکہ صفت علم تمام ان صفات کی خاتم ہے
جو مربیِ عالم ہیں تو جس کا اعجاز علمی ہو گا گویا اس پہ تمام کمالاتِ علمی کا خاتمہ
کر دیا جائے گا اور اسی کو ہمارے نزدیک خاتم الانبیاء کہنا مناسب ہو گا اور
چونکہ اس کا دین قیامت تک رہے گا اس لئے اس کتاب کا بھی تا قیامت باقی
رہنا ضروری ٹھہرے گا، باقی قرآن کے سوا آپ کے جو اور علمی اور عملی معجزات
ہیں ان کے بیان کی اس وقت بالکل گنجائش نہیں رہی اور نہ میں قلتِ وقت
کی وجہ سے توریت و انجیل وغیرہ کے بشارات آپ کی نبوت کے متعلق نقل
کر سکا، جس کسی کو شوق ہو۔ اوّل مضمون کے واسطے حضرت مولانا محمد قاسم
رحمۃ اللہ علیہ کی حجۃ الاسلام اور دوسرے کیلئے علامہ ابن القیم کی ہدایۃ الحیاری کا مطالعہ کرے

اسلام اور علم و فن

البتہ اس اخیر موقع پہ اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ آپ کے بعد
جو علوم و فنون دُنیا میں مسلمانوں کے ذریعہ سے پھیلے اور تمدن کے شعبوں کو
ترقی ہوئی اس کا بھی قدرِ اندازہ غیروں کی زبان سے ہم سامعین کو کرا دیں تاکہ
جو لوگ مسلمانوں کو علم اور تمدن کا دشمن بتاتے ہیں اور پھر اس دشمنی کو ان کی
مذہبی تعلیم کا نتیجہ سمجھتے ہیں وُہ بھی اپنی کم فہمی اور کوتاہ نظری سے کچھ شرمائیں
ترقیِ علوم فنون کے متعلق انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے جس کا خلاصہ نقل کرتا ہوں۔
۷۴۹ء سے خلفاء عباسیہ کے عہد میں علم ادب و فنون حکمت کا ظہور
ہوا اور المنصور ۷۵۴ء کے ایام حکمرانی سے ہارون رشید ۸۰۶ء تک

بڑی فیاضی سے اس کی تربیت ہوئی۔ بہت سے ملکوں سے اہلِ علم طلب کئے گئے اور پادشاہانہ سخاوت سے ان کی بہت کچھ داد و دہش کی گئی۔ اہلِ یونان و شام و ایران قدیم کی عمدہ عمدہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہوکر شائع اور مشتہر ہوئیں خلیفہ مامون نے سلطان روم کو ساڑھے بارہ من سونا دینا اور ہمیشہ کے لئے صلح اس شرط پہ منظور کی کہ لیو فیلسوف کو اجازت دی جاوے کہ کچھ عرصہ کے لئے وُہ یہاں آکر مامون کو فلسفہ و حکمت سکھا جاوے فلسفہ حاصل کرنے کے لئے ایسی زرِ خطیر صرف کرنے کی بہت کم مثال ملے گی اس مامون کے زمانہ میں بغداد، بصرہ، بخارا، اور کوفہ میں بڑے بڑے مدرسوں کی بنا پڑی اور اسکندریہ اور بغداد اور قاہرہ میں عظیم الشان کتب خانے بنائے گئے اسپین میں مدرسہ اعظم مقام قرطبہ کا بغداد کی علمی شہرت کی ہمسری کرتا تھا اور دسویں صدی میں جہاں دیکھو وہاں مسلمان ہی علوم کے حافظ اور سکھانیوالے نظر آتے تھے فرانس اور ممالک فرنگستان کے جوق جوق طالب علم اندلس کو آنے لگے، اور ریاضی اور طب عربوں سے سیکھنے لگے اندلس میں چودہ مدرسے اور بڑے بڑے کتب خانے جن میں سے حاکم کے کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں جمع ہوئیں یہ کیفیت ترقیِ علم کی جبکہ اس زمانہ سے ملائی جاوے جو قبل زمانہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گزرا تو ثابت ہے کہ جیسا کہ عرب فتوحات میں سبقت کرتے تھے ایسے ہی ترقی علم میں بھی یہ لوگ تیز رفتار تھے جغرافیہ، تاریخ فلسفہ، طب، طبعیات اور ریاضی میں مسلمانوں نے بڑا ہی کام کیا ہے اور

عربی الفاظ جو آج تک علوم حکمیہ میں بولے جاتے ہیں اور بہت سے ستاروں کا نام وغیرہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یورپ کے اکتساب علوم پہ قدیم سے مسلمانوں کو بہت دخل و تصرف ہوا ہے مگر بعد کے زمانہ میں اس سے زیادہ جغرافیہ کا علم بہت کچھ یورپ کے حاصل ہوا ایشیاء اور افریقہ میں جغرافیہ کی بہت اشاعت ہوئی اور علیٰ ہٰذا جغرافیہ میں پرانی عربی اور سفر و سیاحت کے رسالے تصنیفات ابوالفدا و رلیبی لیوا فریقیا نوس، ابن بطوطہ ابن فضلان بن جبیر البیرونی المنجم اور ان کی تحریریں اب تک مفید اور گرامی قدر ہیں، علم تاریخ بھی محنت سے حاصل کیا گیا اور قدیم عربی مؤرخ جس کا حال ہم کو ملتا ہے محمد الکلبی ہے جو ۸۱۹ء میں گزرا مگر اسی زمانہ میں اور کئی ایک مؤرخ گزرے اور دسویں صدی کے شروع سے تو عرب نے علم تاریخ پر بہت توجہ کی اور جن لوگوں نے تمام جہان کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا ان میں اوّل مسعودی، طبری، حمزہ، اصفہانی اور بطریق اسکندر ہیں (مسعودی کی تاریخ کا نام مروج الذہب اور معدن الجواہر ہے) اس کے بعد ابوالفرج اور جارج المافین (ہر دو عیسائی) اور ابوالفدا وغیرہ ہیں، نومیری نے جزیرہ سسلیہ کی تاریخ ایام سلطنت عرب لکھی، بہت سے ابواب عربی تاریخوں کے جن میں عیسائیوں کی جنگِ مقدس کا بیان ہے۔ فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئے ہیں اور اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے حالات ابوالقاسم قرطبی تمیمی وغیرہ کے متعدد کتابوں میں لکھے کسی کو ان کے حالات دریافت کرنے کا زیادہ شوق ہو تو قطر ہمیر کی تصنیفات خصوصاً

واں امیر کی کتابوں پر رجوع کرے۔ عرب کے فلسفہ کو جو یونانی الاصل تھا قرآن سے وہی نسبت ہے جو اوسط زمانہ کی معقولات کو عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے تھی۔ یعنی فلسفہ کو دینیات کا خادم سمجھا جاتا تھا۔ عربوں نے ارسطالیس کی تصنیفات کو بہت پڑھا اور اس پر ان کی بہت شہرت ہوئی اور بالآخر تمام فرنگستان میں عربی زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ کے ذریعہ سے اس کی اشاعت ہوئی گو عرب کو خود ہی عہد عباسیہ میں ترجمہ کے وسیلہ سے حاصل ہوا تھا۔ منطق اور علم مابعد الطبیعہ پر زیادہ توجہ ہوئی اور مسلمانوں میں اہل فلسفہ یہ لوگ ہوئے۔

الکندی البصری جو نویں صدی عیسوی میں تھا۔ الفارابی جس نے ۹۵۴ء میں اصول میں کتاب لکھی، ابن سینا جس نے منطق اور علم مابعد الطبیعۃ اور طب کو جمع کیا اور علم کیمیا اور تشخیص امراض و شناخت ادویات بنانے میں بڑی ترقی کی، ابن یحییٰ جس کی تحقیق کی بڑی شہرت ہوئی الغزالی جس نے "تہافتہ الفلاسفہ" تصنیف کی ابو بکر بن طفیل جس نے حی بن یقظان میں انسانوں کا حیوانوں سے ظہور میں آنے کا مسئلہ بیان کیا اور اس کا شاگرد ابن رشد جو ارسطاطالیس کے مفسر ہونے میں بڑا مشہور اور گرامی قدر تھا، ان لوگوں کا اور ان کے مسلک کا بیان شمول سدرس اور بڑکی کتابوں میں مفصل ملیگا بہت سے ان عرب فیلسوفوں میں طبیب بھی تھے ان کے علم خواص ادویہ میں مہارت کامل حاصل کرنے کو نیوست نے معلومات جغرافیہ سے منسوب کیا ہے۔ علم طب اس حیثیت سے کہ وہ ایک علم ہے عرب ہی کی ایجاد ہے جن کو نہایت

قدیم اور وسیع ماخذ یعنی ہندی طبیب شروع ہی سے مل گئے تھے معجون بنانے کی کیمیائی ترکیب عربوں ہی نے ایجاد کی اور دواؤں کے مرکب کرنے اور نسخہ لکھنے کی ایجاد بھی انہیں سے ہوئی اور مدرسہ سالرنو کے ذریعہ سے یہ علم فرنگستان جنوبی میں پھیل گیا دوا سازی اور قرابادین کی وجہ سے علم نباتات اور کیمیا کی حاجت پڑی اور تین سو برس تک کثرت سے ان علوم کی تحصیل ہوتی رہی، اور جندیسابور، بغداد، اصفہان، فیروزآباد، بلخ، کوفہ، بصرہ، اسکندریہ قرطبہ وغیرہ میں فلسفہ اور طب کے مدرسے جاری ہوگئے اور طبابت کے ہر صیغہ میں بجز علم تشریح کے بڑی ترقی ہوئی اس کے استثنار کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں اجسام کی تشریح منع کی گئی ہے،

علم طب میں یہ لوگ بڑے نامی مشہور ہوتے - ہارون کندی ابن سینا جس نے قانون لکھا اور عرصہ تک اس فن میں یہی ایک کتاب درس میں رہی -

علی بن عباس، اسحاق بن سلیمان، ابو القاسم اور رازی جس نے طب کی تکمیل کی، اور علی ابن عیسیٰ وغیرہم ریاضی میں اہل عرب نے بڑی ترقی کی اور الجبرا والمقابلہ کو بڑی ترقی دی، بغداد اور قرطبہ کے مدرسوں اور رصدگاہوں میں علم ہیئت کمال شوق سے بڑھا جاتا تھا - الحسن نے علم مناظرہ پر تصنیف کی، اور نصیر الدین توسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا - جبیر بن عفلا نے بطلیموس کے علم مثلث پہ شرح لکھی اور نظام بطلیموسی کی کتاب کا سیو میوس نے عربی میں ترجمہ کیا اور دسویں صدی عیسوی میں البابتن نے زمین کے دائرہ عظیمہ کے ارتفاع پہ نظر کی اور محمد بن الجبر الثانی نے رفتار شمس کی دریافت

کی، الثیر جیوشش نے تزابت کے بیان میں کتاب لکھی اور ابوالحسن علی نے آلات علم ہیئت میں تصنیف کی، انتہی کلامہٗ۔

یہ حالت جو انسائیکلو پیڈیا کے ذریعہ سے درج کی گئی مسلمانوں کے علم و فضل کے متعلق تھی، اب ان کے چند تمدنی خصوصیات کو سن لینا چاہیئے۔ فرانس کا مشہور و معروف محقق ڈاکٹر لیبان عربوں کی ملک گیری کی خصوصیات میں لکھتا ہے۔ " یہ خلفائے راشدین جس خوش تدبیری کو کام میں لائے وہ مافوق ان کی سپاہ گری اور فن حرب کے تھی جسے انہوں نے آسانی سے سیکھ لیا تھا "

شروع ہی سے انہیں ایسی اقوام سے کام پڑا جن پر سالہا سال سے مختلف صورتوں میں مختلف حکومتوں نے ظلم کر رکھا تھا اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ نئے ملک گیروں کو قبول کر لیا جن کی حکومت میں انہیں بہت زیادہ صاف و صریح طور پر مقرر کر دیا گیا تھا۔ اور خلفا اسلام نے ہرگز بزور شمشیر دین کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ بعوض اس کے اپنے دین کی اشاعت کرتے جیسا کہ بار بار کہا جاتا ہے وہ صاف طور پہ کہہ دیتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب اور رسوم و اوضاع کی پوری طرح سے حرمت کی جائے گی۔

اور اس آزادی کے معاوضہ میں وہ ان سے ایک بہت خفیف سا خراج لیتے تھے جو اس مطلوب کے مقابلہ میں جو ان اقوام کے پرانے حکام ان سے وصول کیا کرتے تھے نہایت کم تھا۔ کسی ملک پر فوج کشی کرنے سے پہلے عرب ہمیشہ ان کے پاس سفیروں کے ذریعہ سے صلح کے شرائط بھیجا کرتے تھے

اور یہ شرائط جن کا ذکر المکین نے کیا ہے علی العموم اسی قسم کے ہوا کرتے تھے جیسا کہ عمرؓ نے ۶۳۸ھ میں باشندگان غزوہ کے سامنے جو اس وقت محصور تھا پیش کیئے تھے اور یہ شرائط مصریوں اور ایرانیوں دونوں سے کی گئی تھیں وُہ شرائط ذیل میں لکھی جاتی ہیں ۔

ہمارے حاکم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تُم قانونِ اسلام قبول نہ کرو تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں پس تم بھی ہم سے مل جاؤ اور ہمارے بھائی بن جاؤ اور ہمارے منافع اور ہمارے منصوبوں میں شریک ہو جاؤ اس کے بعد ہم تم سے کوئی بُرائی نہ کریں گے لیکن اگر تُم یہ کرنا نہیں چاہتے تو تُم ہمیں اپنی زندگی تک ایک سالانہ خراج بالالتزام دیا کرو ۔ اس کے بعد تمہارے بدلے ہم تمام ان لوگوں سے لڑیں گے جو تمہیں ستانا چاہیں یا کسی طرح تمہارے دُشمن ہوں اور ہم اپنے وعدہ پر مضبوط رہیں گے ۔ اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر ہم میں اور تم میں بجز تلوار کے کوئی چیز نہیں رہتی ۔ اور ہم تُم سے اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک اللہ تعالےٰ کے حکم کو پُورا نہ کر لیں ۔

بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک اس مدارات کے مقابل جو صلیبیوں نے اس شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کیا نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے ۔ حضرت عمرؓ اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کے ساتھ داخل ہوئے ، اور آپ نے سفرائینس بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپ

کے ہمراہ چلے اسی وقت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں ذمہ دار ہوں کہ باشندگان شہر کے مال اور ان کی عبادت گاہوں کی حرمت کی جائے گی اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہوں گے۔

سب سے پہلا سلوک عمرؓ رضی اللہ عنہ نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا۔ انہوں نے باشندگانِ مصر سے وعدہ کیا کہ انہیں پوری مذہب کی آزادی پورا انصاف بلا رد و رعایت اور جائیداد کے ملکیت کے پورے حقوق دیئے جائیں گے اور ان ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شاہنشاہ یونانی ان سے وصول کرتے تھے صرف ایک سالانہ جزیہ لگایا جائیگا جس کی مقدار فی کس تقریباً دس روپیہ تھی۔ رعایائے صوبہ جات نے ان شرائط کو اس قدر غنیمت سمجھا کہ وہ عہد و پیمان میں شریک ہوگئے اور جزیہ کی رقم انہوں نے پیشگی ادا کردی عمال اسلام اپنے عہد پر اس قدر مستحکم رہے اور انہوں نے ان رعایا کے ساتھ جو ہر روز شاہنشاہ قسطنطنیہ کے عالموں کے ساتھ سے انواع و اقسام کے مظالم سہا کرتی تھی اس طرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک میں بکشادہ پیشانی دین اسلام اور زبان عربی کو قبول کر لیا، میں بار بار کہوں گا کہ یہ وہ نتیجہ ہے کہ ہرگز بزور شمشیر حاصل نہیں ہو سکتا اور عربوں سے پہلے جن اقوام نے مصر پر حکومت کی وہ ہرگز یہ کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔

عربوں کی ملکگیری میں ایک خاص بات ہے جو ان کے بعد کے ملک گیروں میں ہرگز نہیں پائی جاتی دیگر اقوام نے بھی مثل بربریوں (جنہوں نے روم کے ملک کو فتح کیا ہے) یا ترکوں وغیرہ نے ملک گیری کی ہے لیکن انہوں نے کبھی کوئی تمدن

نہیں قائم کیا اور ان کی ساری ہمت اسی طرف مصروف رہی ہے کہ جہاں تک
ممکن ہوا اقوام مفتوحہ کے مال سے فائدہ اُٹھائیں برخلاف اس کے عربوں
نے قلیل زمانہ میں ایک جدید تمدن کی عمارت کھڑی کردی اور انہوں نے ایک
گروہِ اقوام کو اس جدید تمدن کے ساتھ اپنے مذہب اور اپنی زبان اختیار کرنے
پر آمادہ کیا۔ عربوں کی صحبت کے ساتھ ہی مصر اور ہندوستان کے سے قدیم اقوام
نے اُن کا دین اُن کا لباس، اُن کا طرزِ معیشت بلکہ اُن کا طریقہ تعمیر تک
اختیار کرلیا۔ عربوں کے بعد بہت سی اقوام نے انہیں خطوط پر حکومت کی
ہے لیکن پیغمبر اسلام کی تعلیم کا اثر اس وقت تک ان ملکوں میں باقی ہے کُل
ممالکِ ایشیا و افریقہ میں مراکش سے لے کر ہندوستان تک جہاں کہیں عرب
پہنچے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اثر ان ملکوں میں ہمیشہ کے لئے قائم ہوگیا
ہے بہت سے نئے ملک گیروں نے ان ممالک کو عربوں کے بعد فتح کیا ہے لیکن
وہ ان سے عربوں کا مذہب عربوں کی زبان کو ہرگز نہ مٹا سکے"

انتہی کلامہٗ یہ شائستہ تمدن جس کا ذکر محقق موصوف نے کیا چند ہی روز
میں دریائے سندھ سے اندلس تک پہنچ گیا اور رفتہ رفتہ ہندوستان میں جو
ہزارہا معبودوں کا گھر تھا مسلمانوں کے بابرکت قدم آئے اور اُنہوں نے اس
ظلمت کدہ میں توحید کا چراغ روشن کیا اور گویا بت خانہ کے اندر مسجد بنا دی،
ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے زلزلہ سے جہاں اور قومی عمارات گرنا شروع ہوئیں یہ مسجد
بھی انہدام کے قریب آپہنچی، اس پر ایک طرف تو دشمنانِ اسلام نے اس کی
بنیادیں نکال ڈالنے کا ارادہ کرلیا اور دوسری طرف خود مسلمانوں نے اس کی

اینٹوں سے اپنے رہنے کے مکانات تعمیر کرنا چاہے، اسی پُرخطر وقت میں ایک مرد کو خدائے تعالیٰ نے بھیجدیا جس نے اس مسجد کی عمارت کو زمانے کی دستبرد سے بچالیا اور پہلے سے بھی زیادہ رفیع الشان اور باعظمت بنانے کی کوشش میں کامیاب ہوا۔

یہ رفیع المنزلت عمارت مدرسہ عربی دیوبند ہے جس کا مفصّل تذکرہ آپ میرے اور دیگر لوگوں کی رپورٹوں میں پائیں گے، اور وہ مرد اسلام قدسی صفات حضرت مولینا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ ہیں جنہوں نے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور جن کے اسم گرامی پر ہی ہم اپنی اس تحریر کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

زباں پہ بار خدایا کس کا نام آیا!
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

بالخیر

آدمؑ سے محمدﷺ تک

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں قرآنی آیات کے حوالہ سے حضرت آدمؑ سے حضور سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے واقعات تاریخی سبق آموز انداز میں دئے گئے ہیں۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کے مطالعہ سے ہوگا یہ کتاب یقیناً اس قابل ہے کہ صاحب خیر حضرات اس کو خریدکر بہ نیت ثواب مسلم نوجوان نسل اور مسلم گھرانوں میں پہونچادیں اور صدقہ جاریہ کے بطور ہمیشہ ہمیشہ اس کا ثواب حاصل کرتے رہیں۔ اس کتاب کے بغور مطالعہ سے آپکو معلوم ہوگا کہ اس پر عمل کرنے سے دین کی راہیں بھی ہموار ہوتی ہیں اور دنیاوی ترقی کی راہیں بھی کھلتی ہیں۔ ذہن کو اسلامی طرز پر ڈھال کر ہم اکابرین کا نمونہ بن سکتے ہیں اور ہماری فراموشیدہ وپارینہ روایات پھر سے زندہ وتابندہ ہوسکتی ہے۔ کتابت وطباعت معیاری پلاسٹک کوٹڈ کور ۱۷۶ر صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت صرف ۱۷/ روپے

سائنس اور اسلام

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ

اسلام بنیادی طور پر روحانیت کا علمبردار ہے مگر وہ دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیتا ہے علیگڈھ مسلم یونیورسٹی میں کی گئی ایک زبردست تقریر۔ بہت عرصہ سے نایاب تھی حال ہی میں طبع کرائی گئی ہے۔

قیمت ۷/=

ایک عرصہ سے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی تصانیف نایاب تھیں مکتبہ ملت نے دوبارہ سے ان کو شائع کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے اس سلسلے کی یہ دوسری کڑی ہے۔ امید ہے عوام اور علماء اس سلسلہ میں ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

حدیثِ رسول کا قرآنی معیار

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کی بنیادی اور اہم تصنیف جو دینی مدارس کے طلبہ۔ علماء کیلئے خصوصاً اور عوام کیلئے عموماً ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

- حدیث کے بغیر ہم کلام الٰہی کو نہیں سمجھ سکتے۔
- حدیث نبوی قرآن کا بیان ہے۔

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ نے علمِ حدیث کی اہمیت عظمت اور اقسام کا قرآنِ کریم سے محققانہ ثبوت پیش فرمایا ہے۔ قرآن و حدیث کو سمجھنے کیلئے یہ کتاب آپ کیلئے معاون ہوگی کتابت و طباعت بہت عمدہ عکسی ایڈیشن۔ قیمت -/۸

اختلافِ اُمّت اور صراطِ مستقیم

ایک معرکۃ الآراء کتاب جس میں صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتے ہوئے مشہور اسلامی فرقوں کے اختلافات کا کتاب و سنت کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے اور فروعی مسائل میں نوعیت اختلاف کی وضاحت کرتے ہوئے پندرہ معرکۃ الآراء مسائل میں حنفیہ کے موقف کی مدلل تشریح کی گئی ہے۔ عام مسلمانوں کے لئے یہ مسئلہ خاصی پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے کہ مختلف اسلامی فرقوں میں سے صحیح راستہ پر کون ہے۔ یہ کتاب اسی قسم کے سوال کا جواب ہے جس میں صراطِ مستقیم کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کی گئی ہے مشہور فرقوں کے اختلافات کو اس معیار پر جانچا گیا ہے کہ اس سے ایک متوسط عقل و فہم کے منصف مزاج شخص کیلئے حق کی تلاش میں اور صحیح و غلط کے درمیان امتیاز کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ کتابت و طباعت معیاری جدید عکسی ایڈیشن۔

قیمت مجلد ریگزین کور -/۳۵

ملنے کا پتہ

مکتبہ ملت دیوبند یوپی

سفینۃ الاولیاء اردو عکسی

شہزادہ داراشکوہ کی فارسی تصنیف سفینۃ الاولیاء کا اردو ترجمہ چند خصوصیات کے ساتھ پہلی بار شائع کیا گیا ہے تاریخ و تصوف کے موضوع پر یہ کتاب نرالی شان رکھتی ہے کتاب کی ابتداء سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ پاک سے ہوئی ہے اور پھر ہر سلسلے کے اولیاء اللہ کے حالات علیحدہ علیحدہ سن وار درج کئے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شہزادہ داراشکوہ نے اس کتاب کی تصنیف میں کتنی محنت کی ہو گی اس کتاب کی ابتداء میں مترجم نے تفصیل کیساتھ شہزادہ داراشکوہ کے حالاتِ زندگی، اپنے حقیقی بھائی عالمگیر سے اختلاف اور داراشکوہ کے قتل کے سبب پر روشنی ڈالی ہے۔

کتابت و طباعت نہایت عمدہ اور معیاری عکسی ایڈیشن۔ قیمت -/۲۵

تاریخ فرشتہ اُردو

ضروری ہے کہ ہم ہندوستانی اپنی تاریخ سے واقف ہوں۔ تاریخ فرشتہ کسی تعارف کی محتاج نہیں اس سے زیادہ ضخیم تاریخ اب تک مرتب نہیں ہوسکی محمد قاسم فرشتہ نے سترہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی تاریخ مرتب کی اور اس زمانہ کے دستور کے مطابق اس کتاب کا نام تاریخ ہند کے بجائے تاریخ فرشتہ مشہور ہوگیا۔ یہ اردو ترجمہ موجودہ زمانے کے انداز نگارش کیمطابق ہے نیز جا بجا حواشی بھی دیئے گئے ہیں جن میں قدیم شہروں اور دریاؤں کے موجودہ نام اور انکے جغرافیائی حالات بھی درج کیئے گئے ہیں۔ یہ غیر منقسم ہندوستان کی نہایت مفصل تاریخ ہے خاص خاص عنوانات ملاحظہ فرمائیں تاکہ آپ کچھ اندازہ کر سکیں۔

ہندوستان کب اور کسطرح آباد ہوا۔ نسلِ انسانی کی تقسیم۔ مہابھارت کی جنگ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد ۶۳ھ میں۔ تذکرہ سلاطین لاہور۔ سلاطین دہلی سلاطینِ دکن۔ سلاطین ملتان۔ سلاطین سندھ۔ سلاطین گجرات۔ سلاطین کشمیر۔ سلاطین بنگال۔ شاہانِ مغل —— تاریخ فرشتہ کا مولف محمد قاسم فرشتہ نظام شاہی لشکر میں اپنی سرگذشت اور چشم دید واقعات کا بیان فرنگیوں سے جنگیں اور اسی کے ساتھ بے شمار تاریخی شہروں کے تذکرے۔ قیمت جلد اوّل ۹۰/- جلد دوم ۹۰/- مکمل ۱۸۰/-

پتہ مکتبہ ملت دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامداً و مصلیاً و مسلماً

خوارقِ عادات اور قانونِ قدرت کا باہمی رشتہ

ہندوستان کی عام فضا اگرچہ خدا کے فضل سے ابھی تک ایسی مسموم نہیں ہوئی کہ خوارق عادات کا لفظ سننے سے لوگوں کو وحشت ہونے لگے لیکن انگلش تعلیم و تربیت کے تیار کئے ہوئے نوجوانوں کی جماعت ایسی موجود ہے جو ان چیزوں کا مذاق اڑاتی ہے خواہ ملحدین یورپ کی کورانہ تقلید سے یا نئی تعلیم کے خاص اثرات اور ماحول سے یا محض "ینگ مین" کہلانے کے لئے خوارق سے تمسخر کرنا ان کا فیشن ٹھہر گیا ہے۔

اردو زبان کی زرق برق تصنیفات میں چونکہ بیشتر حصہ انہی صاحبوں کا ہے اس لئے ان کے خیالات کے جراثیم پبلک میں بھی تیزی سے سرایت کرتے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ چند پرانے راسخ الاعتقاد علماء کو مستثنیٰ کر کے ہمارے عربی مدارس کے بہت سے نئے تعلیم یافتہ بھی "خوارق" کے ذکر سے کچھ کتراتے لگتے ہیں کہ مبادا ہم کو مقدم الذکر جماعت کی طرف سے "احمق" اور "وہم پرست" کا خطاب دیا جائے۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ کاتب سطور ایک ایسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔
جو نہ صرف قدامت پسند ہے بلکہ اپنی قدامت پسندی پر ناز کرتی ہے
لہٰذا اس مضمون کے لکھتے وقت اس کا کوئی غم نہیں کہ کچھ لوگ اپنی عقل کے
نشہ میں مجھے "سادہ لوح" اور "وہم پرست" یا "پرانی لکیر کے فقیر" کہیں گے
یہ لوگ اپنے کو کتنا ہی عاقل سمجھیں لیکن میری درخواست صرف یہ ہے کہ معصوم
نہ سمجھیں۔ جو کچھ اُن سے کہا جائے انہیں اختیار ہے رد کر دیں۔ مگر بغور سُننے کے بعد
رد کریں۔
اس مضمون میں جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں یہ دعویٰ نہیں کہ کوئی نئی تحقیق ہے،
ہاں طرزِ ادا اور ترتیب بیان ضرور نئی ہے۔
میں نے اسی موضوع پر پہلے بھی کچھ لکھا ہے جو بعض رسائل کے ضمنی مباحث میں
شائع ہو چکا ہے لیکن اس وقت کلام کی ایک خاص نوعیت ہو گی جو پہلے مضامین میں
اس قدر اہتمام سے مرعی نہ تھی۔ اور وہ نوعیت یہ ہے کہ خوارقِ عادات" (معجزات
وغیرہ) اور "قانونِ فطرت" کے باہمی تعلق پر ایک صاف اور تیز روشنی ڈالی جائے
جو ہمارے اور منکرین خوارق کے اختلافات کے اصلی نقطۂ بحث کو پوری طرح
واضح اور آشکارا کر دے۔

خوارق کا وجود "قوانین فطرت" کا دشمن نہیں | موجودہ سائنس کی ساری عمارت کی
بنیاد یہ ہے کہ فطرت یکساں اور باقاعدہ کام کرتی ہے، اگر واقعاتِ عالم ایسے طور
سے وقوع میں آئیں جیسے "مرض" "کابوس" یا خوابہائے پریشاں میں واقع ہوتے
ہیں تو فطرت کا مطالعہ کرنا فضول ہو گا۔ اگر خوارق و معجزات کے پائے جانے

سے فطرت کی یکسانی اور باقاعدگی میں فرق آئے اور قوانین قدرت میں بے ترتیبی
اور گڑبڑی پیدا ہو، تو جو لوگ خوارق کے امکان پر غور کرنے سے انکار کرتے ہیں
اُن کو شاید معذور رکھا جائے لیکن واقع اس طرح نہیں ہے ہم معجزات و خوارق
کو قوانین قدرت کے خلاف نہیں کہہ سکتے بلکہ ہمارے نزدیک وہ ایک ایسی کھڑکی
ہے جہاں سے قدرت کا چہرہ زیادہ صفائی اور زیادہ قریب سے نظر آتا ہے خوارق
کا احیاناً وقوع ہی وہ چیز ہے جس سے ہم اس منظم قوانین قدرت کے متعلق یہ یقین
حاصل کرتے ہیں کہ وہ قوانین قدرت ہیں، کسی غیر قادر یا غیر مختار ہستی سے یُوں ہی
بالاضطرار نہیں بن گئے ہیں۔

معجزہ قوانین فطرت کی حمایت کرتا ہے اگر کوئی احمق کائنات کی پُر اسرار ہستی
میں نہایت محکم اور مرتب قوانین فطرت کی موجودگی سے انکار کرے تو معجزہ بجائے
اُس کی تائید کرنے کے اُس کو رد کرنے کی کوشش کرے گا، کیونکہ معجزہ اسی وقت
معجزہ کہلایا جا سکتا ہے جبکہ دُنیا میں تکوین کا کوئی ضابطہ اور قانون موجود ہو
پھر وہ (معجزہ) اپنے کو اس ضابطہ اور قانون سے اعلیٰ اور ارفع ثابت کرے۔

معجزات وغیرہ کے ماننے سے دُنیا کا نظام مختل نہیں ہوتا اسی لئے معجزات و خوارق کی حمایت کرنے والے
بھی دُنیا کو منظم اور مرتب ماننے میں اپنے مخالفین
کے ہمنوا ہیں اور اُن کے اعمال، تجاویز، توقعات اور سارے انتظامات بھی
ایسے ہی مستقل، ہموار اور یکساں ہیں جیسے اُن کے، جو معجزات وغیرہ کو نہیں
مانتے۔

معجزہ قانون قدرت کے مطابق ہے معجزات وغیرہ اگر گاہ بگاہ وقوع میں

آئیں تو وہ اُسی خلاقِ عالم کا کام ہوں گے جو ہمیں روزانہ فطرت کے عمل کے معمولی عجائبات دکھاتا رہتا ہے اور جب ایسا ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ خود معجزات قانونِ قدرت کے مطابق ہوں۔ البتہ وُہ قانون اُس قانون سے اعلیٰ ہوگا جس سے طبعی سائنس آشنا ہے۔

معجزہ فطرت کے قوانینِ اصلیہ کا محافظ ہے

فطرت اور کانشنس دونوں کا یہ تقاضا ہے کہ ہم خدا کی نسبت یہ خیال کریں کہ وہ ابتری و اختلال کو نہیں بلکہ امن و نظم اور ترتیب کو بالذات پسند کرتا ہے لیکن جب انسان خدا کے بخشے ہوئے اختیارات کے غلط اور بے موقع استعمال سے دُنیا کے امن و انتظام کو توڑتا ہے تو بسا اوقات ایسے خوارق ظہور پذیر ہوتے ہیں جو ہماری پیدا کی ہوئی ابتری کا علاج اور فطری امن و انتظام کے بحال کرنے کا سبب ہوں۔ اِس صورت میں عام قوانینِ فطرت کی حفاظت کے لئے خوارق کا ظاہر کرنا بجائے خود ایک قانونِ فطرت ہے۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ انسانی ارادہ کے ذریعہ سے قوانین فطرت کو توڑے بغیر ہم فطرت کے بعض کاموں میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔ مثلاً جب کوئی سول سرجن کامیابی سے مریض کے جسم کی چیر پھاڑ کرتا ہے یا کوئی طبیب ادویات کے ذریعہ سے کسی بیماری کی رفتار کو روکتا ہے۔ اگرچہ بظاہر وُہ مریض کے طبعی قوانین کے سلسلہ میں خلل ڈالتا ہے، جو اِس کی مداخلت کی عدم موجودگی میں اپنا پُورا عمل کرتے لیکن اس پر بھی ڈاکٹر اور طبیب کی یہ مداخلت قوانینِ فطرت کے مخالف نہیں سمجھی جاتی، بلکہ اصلی اور حقیقی فطرت کی اعانت اور خدمت سمجھی جاتی ہے۔

معجزہ ایک اعلیٰ قانونِ قدرت ہے | خارجی فطرت میں ہمیں چار مختلف عالم نظر آتے ہیں جن میں سے ہر ایک اعلیٰ ادنیٰ پر مبنی اور اس سے ممیز ہے۔

۱۔ اوّل بظاہر بے ترتیب عالم، جس میں کیمیائی عناصر اور اُن کے مرکبات پائے جاتے ہیں یا جسے ہم مردہ مادّہ کہتے ہیں۔ یہ عالم اپنے قوانین جبر ثقیل اور جذب و اتصال وغیرہ کے ماتحت ہے۔

۲۔ اُس کے اوپر مرتب اور منتظم عالم (نباتات وغیرہ) ہے جس کی ساخت اُس پہلے بے ترتیب عالم سے ہوئی اور اس لحاظ سے یہ قوانین مادّہ کے ماتحت ہے لیکن اس کے سوا اس میں فطرت کی ایسی پوشیدہ قوتیں اور شرائط پائی جاتی ہیں جو بے ترتیب عالم کو معلوم ہی نہیں، بنابریں یہ اور قسم کے قوانین کے تابع ہے جن کا ادنیٰ طبقہ سے کچھ تعلق نہیں یعنی منتظم زندگی کے قوانین۔

۳۔ اِن سے اوپر حیوانی زندگی ہے جس کی خاص صفات و شرائط نشوونما پرورش اور حرکت ارادیہ وغیرہ کے قوانین ہیں۔

۴۔ اور اس سے بالاتر انسان کی ذی عقل، مدرک، اخلاقی اور ترقی کن زندگی ہے جس کے قوانین پچھلے تینوں عالموں سے جداگانہ ہیں۔

عالموں کے اس سلسلہ کا ہر اعلیٰ طبقہ ادنیٰ طبقہ کے لحاظ سے فوق العادت اور اعجازی ہے، قدرت کے جو قوانین عالم جماد یا نبات میں دائر سائر ہیں وہ حیوانات میں نہیں اور جو حیوانات میں ہیں اس سے کہیں بڑھ کر عالم انسان میں پائے جاتے ہیں۔

اگر فرض کرو نباتات یا حیوانات میں ہماری باتیں سمجھنے کی قوت ہو اور ہم اُن کی دُنیا میں جاکر اپنے انسانی کارنامے اور بنی آدم کے عجیب و غریب احوال اور وُہ قوانینِ فطرت بیان کریں جو عالمِ انسان میں کارفرما ہیں تو یقیناً وہ اس ساری داستان کو خلافِ قانونِ فطرت قرار دے کر ہمارا اسی طرح مذاق اُڑائیں گے جیسا کہ مُعجزات نہ ماننے والے مُعجزات کا اڑاتے ہیں کیونکہ جو قوانین اُن نباتات جمادات کے دائرۂ وجُود میں عمل کر رہے ہیں، انسان کے متعلق قوانینِ فطرت ان سے بہت زیادہ بلند اور رفیع واقع ہوئے ہیں جن کے احاطہ کی ادنیٰ طبقہ کی مخلوقات سے توقع کرنا سفاہت ہے۔

مُعجزہ انسان کو عالمِ بالا کی چمک دکھلاتا ہے، | آگے مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ انسان، بے ترتیب، باترتیب، حیوانی اور ذی عقل چاروں عالموں کے اُوپر اور ان سے لطیف تر ایک اور عالم کا وجُود تسلیم کرے یعنی خالص رُوحانی اور نورانی عالم جس کے چمکارے وقتاً فوقتاً ہم کو دکھائی دیتے رہتے ہیں۔

انسان چونکہ چوتھے عالم (ذی عقل) اور اس پانچویں عالم (رُوحانی) کی سرحد پر آباد ہے اس لئے اُس کا تعلق ایک طرف سے دونوں کے ساتھ ہے اعلیٰ اُسی طرح اس کا ورثہ ہے جس طرح ادنیٰ، لیکن اعلیٰ کے ابھی صرف چمکارے ہی اس کو حاصل ہیں۔

مُعجزات کا بڑا مقصد یہ ہے کہ اُس مزاج اور رُوح کے خلاف ہم کو آگاہ کریں جو ان چمکاروں کو بے اعتبار سمجھتی اور ان کا انکار کرتی، اور ادنیٰ طبقہ ہی میں زندگی بسر کرنا پسند کرتی ہے۔

تمام نوامیسِ فطرت پر ہمارا احاطہ نہیں، اور نہ ہو سکتا ہے،

ان پست خیال، کوتاہ نظروں کی بڑی فروگذاشت یہ ہے کہ اُنہوں نے سارے نظامِ عالم کو چند نوامیس طبعیہ میں منحصر سمجھ لیا ہے جو مادّہ اور اس کی قوّت کے متعلق اُنہیں دریافت ہُوئے ہیں۔

باوجودیکہ سائنس کے بڑے بڑے اساتذہ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہم کو ابھی تک کل قوانین قدرت پر تو کہاں، اُس کے کسی معتدبہ حِصّہ پر بھی احاطہ حاصل نہیں ہُوا لیکن اِس پر بھی جب کبھی کوئی چیز اُن کے محدود و معدود مدرکات سے باہر ہوتی ہے نہایت بیباکی اور ڈھٹائی سے اس کی تکذیب پر تیار ہو جاتے ہیں۔

فلتات طبیعیہ

حالانکہ اگر ہم نوامیس طبیعیہ کے اسی نظام پر غور کریں جو مادیات سے متعلق ہے تو "فلتات طبیعیہ" کا ایک مستقل باب ہے جس کی ہزاروں جزئیات کا عام سنن طبیعیہ اور مقرّرہ قوانینِ فطرت سے علیحدہ ہونا ان قوانین کی یکسانیت اور انتظام کو سخت صدمہ پہنچانے والا ہے۔

دو تاریخی مثالیں

اس موقعہ پر فلتات طبیعیہ کی ایک دو تاریخی مثالیں ذکر کرتا ہوں جو اس خشک فلسفیانہ مضمون کے دوران میں نشاط اور دلچسپی پیدا کرنے کا موجب ہوں گی۔

ہنگری میں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ دونوں کے تمام اعضاء مستقل اور الگ الگ تھے لیکن دونوں کے سرین (پچھاڑی) اس طرح ملی ہُوئی تھی کہ مخرج براز بالکل ایک تھا۔ اسی ایک راستہ سے ہر ایک قضاءِ حاجت کرتی تھی، پیشاب گاہ دُوسرے اعضا کی طرف جدا جدا تھی، اسی لئے جب ایک

کو پیشاب کی ضرورت لاحق ہوتی، تو دُوسری منقبض ہوتی، دُوسری حاجاتِ طبیعیہ میں بھی کشمکش ہوتی جو باہمی تنافر کا سبب بن جاتی تھی، عمر کے چھٹے سال دو میں سے ایک کے اعضا کسی مرض کی وجہ سے شل ہو گئے اور اسی حالت میں عمر بھر رہی لیکن دُوسری کے اعضاء پر اس کا کوئی اثر نہ تھا، بلوغ کی علامات دونوں میں بیک وقت ظاہر ہوئیں جب بائیس سال کی عمر ہُوئی تو ایک کو سخت بخار ہُوا اور اسی میں انتقال ہو گیا۔ دُوسری بھی اُس کے تین گھنٹہ بعد مر گئی اور دونوں کو اکٹھا دفن کیا گیا۔

ایک چینی لڑکا جس کی عمر ۱۲ برس کی تھی وہ اپنے سینہ پہ دُوسرا بچہ اُٹھائے ہوئے تھا۔ اس بچہ کا سر اس کے سینہ کے اندر چھپا ہوا تھا۔ باقی دھڑ اس کے سینہ سے گھٹنوں تک لٹکا رہتا تھا۔ اس بچہ میں کافی حس و شعور تھا، ذرا سا چھونے سے بھی متاثر ہوتا تھا۔ اور یہ اُٹھانے والا لڑکا بھی اُس بچہ کے دُکھ سے دُکھ اُٹھاتا تھا۔

اس قسم کے سینکڑوں مشاہدات "انسائیکلو پیڈیا" میں جمع کئے گئے ہیں جن کو حکما کی اصطلاح میں "فلتات طبیعیہ" کہتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ایک عاقل مبصر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ قوانینِ فطرت کا دائرہ اس قدر تنگ نہیں ہے جتنا کہ سائنس کے خام مدعی اُسے تنگ کرنا چاہتے ہیں۔

عالم ارواح | یہ تو مادیات اور جسمانیات کا حال تھا لیکن اگر مادہ کی سرحد سے ذرا قدم باہر نکالا جائے تو پھر ایک ایسا عالم سامنے آجاتا ہے جہاں ہماری وہ ادھوری توجیہات بھی کچھ کام نہیں دیتیں جن سے ہم "فلتات طبیعیہ" اور

"قوانین فطرت" کی تطبیق میں کام لیتے تھے۔

یہ عالم عالم ارواح ہے جس کی طاقتوں اور نوامیس کا حال یورپ کے ملحدوں کو ابھی تھوڑے عرصہ سے کھلا ہے۔ یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے فلاسفر جو مادّہ اور اس کی قوتّ کے سوا کسی دوسری قوت کا نام لینے والے کو وہم پرست اور پاگل کہتے تھے۔ خدا کی شان کہ آج وہ ہی مشاہدات اور تجربات متواترہ سے عاجز و مبہوت ہو کر رُوح اور اس کی عجیب و غریب طاقتوں کے ثابت کرنے میں پیش پیش ہیں۔

عالمان مسمریزم "تھیوسافیکل سوسائٹی" اور "سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ" وغیرہ بہت سے گروہ پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے رُوح کی ان طاقتوں پر تھوڑی بہت روشنی ڈالی ہے۔ اور اگرچہ یہ کام ابھی تک تکمیل کو نہیں پہنچا لیکن اس میں اب شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ نوامیس طبعیہ مادّیہ سے بالاتر اور عظیم تر اور بھی نوامیس ہیں جن کے سامنے مادہ اور اس کی قوتیں کچھ بھی وزن نہیں رکھتیں۔

رُوح کے متعلق چار نظریہ | فرانس کے مشہورِ آفاق امام فلکیات و طبیعیات کامل فلامریون نے "المجہول والمسائل الروحیہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے کئی ایڈیشن چند روز میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔

فلسفہ حسیّہ کا یہ فاضل بہت سے مشاہدات اور قوانین و نوامیس پر غور و فکر کرنے کے بعد ان چار نظریات پر پہنچا۔

۱۔ رُوح موجود ہے اور جسم سے علیحدہ مستقل وجود رکھتی ہے۔

۲۔ روح ایسی خصوصیات اور قویٰ اپنے اندر رکھتی ہے جن کی گہرائیوں تک علم ابھی تک رسائی نہیں پا سکا۔

۳۔ یہ ممکن ہے کہ روح بدون مساعدت حواس کے بہت دور کی چیزوں پر اپنا اثر ڈال سکے یا اُن کے اثر کو قبول کر سکے۔

۴۔ آئندہ آنے والے واقعات وحوادث وقوع سے پہلے مقدر ہیں، اور ایسے اسباب کے ساتھ اُن کی تحدید ہو چکی ہے جو مستقبل میں اُن کو موجود کریں گے، روح بسا اوقات اِن واقعات وحوادث پر اُن کے وقوع سے پہلے مطلع ہو جاتی ہے۔

ان چاروں نظریات کے ثابت کرنے میں فاضل موصوف نے بہت مضبوط براہین حسیّہ سے کام لیا ہے جس کو سننے کے بعد ایک متعنّت مادہ پرست کو بھی مجالِ انکار نہیں رہ سکتی۔

رُوحانی مناظر کا اِنکار جہل ہے

اسی قسم کے دلائل وشواہد سے متاثر ہو کر مسٹر ہڈسن کو کہنا پڑا کہ "میں اپنے یا اوروں کے تجربوں سے ایسے واقعات کا پیش آنا ثابت کرنے کی کوشش میں اپنا وقت ضائع نہ کروں گا۔ اس کام کا وقت گزر چکا، مہذب دُنیا کو یہ واقعات ایسے معلوم ہیں کہ ثبوت کی ضرورت نہیں۔ آج جو شخص روحانی مناظر کا انکار کرے وہ منکر نہیں محض جاہل ہے اور ایسے شخص کو روشن خیال بنانے کی کوشش کے بارآور ہونے کی کوئی اُمید نہیں۔"

اگرچہ عالم ارواح کے نوامیس جہمہ ابھی تک رازہائے سربستہ ہیں

اور اس کا نظام ہمارے مادیّات کے نظام طبعی سے کہیں زیادہ وسیع اور لطیف ہے۔ تاہم رُوحانی مناظر کا جو ذخیرہ یورپ کی سوسائٹیوں نے اپنی مستند رپورٹوں میں جمع کر دیا ہے وہ بھی بڑے بڑے ماہران طبعیات اور مدّعیان ہمہ دانی کو حیرت زدہ اور خجل کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور جس قدر "فلسفۂ طبیعیہ" کا وجود عام نوامیس طبیعیہ اور قوانین مادّیہ کے سلسلہ میں عجیب چیز ہے۔ اس سے کہیں بڑھ کر نظامِ رُوحانی کا محیّر العقول انکشاف پرستاران نوامیس طبیعیہ کے ایوانوں میں زلزلہ ڈالنے والا ہے۔

ارواح مجرّدہ یا ایک لطیف نُورانی عالم کا وجُود

رُوحانی قوتوں کی تحقیق کا جو سلسلہ جاری ہے وہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ حال کے بڑے بڑے فلاسفر اس جانب ترقی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ رُوحانی نظام صرف اِن ہی انسانی ارواح کے مجموعہ سے عبارت نہیں ہے جو انسانوں کے جسم کی تدبیر کرتی اور اس سے جُدا ہونی رہتی ہیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ اُن ارواح کے علاوہ، اور ارواح مجردّہ یا کوئی لطیف نورانی مخلوق ایسی پائی جاتی ہو جن کا ان ارواح انسانی سے زیادہ قریب کا رشتہ ہو۔

مسٹر مارس اپنی معلومات کی بنا پر ارواحِ مجرّدہ کا صرف امکان تسلیم کرتے ہیں مگر فرنچ فیلسوف موسیو لوئی فگنے ایک لطیف استدلال سے ان کا وجُود ثابت کرنے پر زور دیتا ہے چنانچہ لکھتا ہے کہ "ہمارے اردگرد کی زِندہ مخلوق میں نباتات سے لے کر انسان تک دائماً اُوپر کو جانے والا سِلسلہ ہے جو بتدریج کمال حاصل کرتا جاتا ہے۔ کائی اور دیگر بحری وئیدگیوں

کو جو نظام نباتی کی ابتدائی حالت ہے نقطۂ روانگی ٹھہرا کر ہم نباتی دُنیا کے کمال حاصل کرنے والے سلسلہ میں سے گزرجاتے ہیں اور ابتدائی حیوانات یعنی گھونگے اور دیگر نبات نما حیوانات تک پہنچ جاتے ہیں اور وہاں سے اعلیٰ تر حیوانات کے بے انتہا درجوں کو طے کرتے ہوئے انسانی قالب میں آجاتے ہیں۔ اس سیڑھی کا ہر ایک پایہ غالباً غیر محسوس ہے اور ان تغیرات و درجات کی ترتیب ایسی عمدہ ہے کہ اس نے درمیانی ہستیوں کے ایک غیر محدود سلسلے کو گھیرا ہُوا ہے جس کا ایک کنارہ کائی ہے اور دُوسرا کنارہ ہماری نوعِ انسانی اور باوجود اس کے ہم ممکن سمجھتے ہیں کہ آئندہ ہم میں اور خُدا میں درمیانی مخلوق کا کوئی واسطہ حائل نہ ہو اور اس تدریجی ترقی کے سلسلہ میں انسان اور خُدا کے مابین ایک بڑا غار خالی رہ گیا ہو۔ ہم ممکن سمجھتے ہیں کہ تمام نیچر میں چھوٹی سے چھوٹی نبات سے لے کر نوعِ انسانی تک تدریجی اور بیشمار درجات کی ترتیب ہو مگر انسان اور خدا کے درمیان صرف ایک ناپیداکنار جنگل ہو؟ بے شبہ یہ ناممکن ہے اور اگر کبھی مذہب یا فلسفہ نے ایسی غلطی کی حمایت کی ہے تو اس کی وجہ صرف مظاہر قدرت کی ناواقفی ہے سائنس میں شک کرنا ناممکن ہے کہ جس طرح نبات اور حیوان اور انسان کے مابین دیکھا جاتا ہے اسی طرح انسان اور خُدا کے مابین ضرور درمیانی مخلوق کی بڑی تعداد ہے جس کی وساطت سے انسان اُس خُدا تک پہنچتا ہے جو اس پہ اپنی غیر محدود طاقت اور جلال سے حکومت کر رہا ہے۔ غرض یہ تو ہم کو یقین ہے کہ ایسی درمیانی مخلوقات (یعنی جو انسان سے آگے لطافت کے تدریجی منازل طے کرتی ہوئی خدا تک پہنچتی ہے) موجُود ہے۔ گو یہ ضرور ہے کہ وہ

ہم کو نظر نہیں آتی لیکن اگر ہم ہر ایسی چیز کے وجود سے انکار کریں جس کو ہم دیکھ نہ سکیں، تو نہایت آسانی سے ہماری تکذیب ہو سکتی ہے۔ فرض کرو کہ کوئی علم ماؤیات کا عالم کسی تالاب سے ایک قطرہ پانی کا لے اور ایک جاہل کو دکھا کر کہے کہ یہ قطرہ جس میں تم کچھ نہیں دیکھتے ہو چھوٹے چھوٹے حیوانات اور نباتات سے بھرا ہوا ہے جو بعینہٖ محسوس حیوانات اور نباتات کی طرح زندہ رہتے ہیں پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں تو وُہ جاہل فوراً سر پھیر دے گا اور کہنے والے کو دیوانہ سمجھے گا۔ لیکن اگر اس کی آنکھوں پر خوردبین رکھدی جائے اور وُہ قطرہ کی تشخیص کرے تو اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ کہنے والا سچ کہتا تھا۔ کیونکہ اب اسی قطرہ میں جس کو وہ صاف سمجھتا تھا اُس کی آنکھ سائنس کی مدد پا کر چھوٹے پیمانہ پر تمام دُنیا کو موجُود پائے گی۔

غرض جہاں ہم کچھ نہیں دیکھتے وہاں زندہ مخلوق کی بڑی تعداد موجُود ہوتی ہے اور یہ محض سائنس ہی کے امکان میں ہے کہ اس بارہ میں عوامُ النّاس کی آنکھوں کو روشن کرے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اِس حکیم کی حیثیت اختیار کریں بیشک انسان اور خُدا کے درمیان طبقہ جہلاء کو اور اندھے فلسفہ کو کچھ نہیں سوجھتا۔ لیکن اگر ہم جسمانی آنکھوں کی بجائے رُوحانی آنکھ سے کام لیں یعنی عقل، قیاسِ مساوات اور تعلیم کو استعمال کریں تو یہ اسرارِ مخلوق روشنی میں آجائے گی۔

اب اگر ایک ایسی مخلوق کا وجُود تسلیم کر لیا جائے جو انسان اور خُدا کے درمیان واسطہ کا کام دے خواہ وُہ ملائکۃ اللہ ہوں یا ارواحِ مجردہ تو نظامِ عالم میں ماؤیات

فلتات طبیعیہ اور عالم ارواح انسانی کے نوامیس سے اوپر بہت سے دوسرے نامعلوم نوامیس قدرت کا اقرار کرنا پڑے گا جن کی ابھی تک ہم کو ہوا بھی نہیں لگی۔ پھر کس قدر شوخ چشمی اور ڈھٹائی ہوگی کہ جو چیز ہمارے مادی علت معلول کے سلسلہ سے ذرا باہر ہو جائے ہم یہ کہہ کر اس کی تکذیب کردیں کہ وہ قانون قدرت یا نوامیس فطریہ کے خلاف ہے۔

تمام نظام عالم قدرتِ الٰہیہ کے پنجہ میں ہے

اب ہمارے سامنے اتنے سلسلے ہیں :-
(ا) نظام طبیعی مادی (ب) فلتات طبیعیہ،
(ج) نظام روحانی (د) نظام ملکوتی۔

اور ان سب کے اوپر خود قدرتِ الٰہیہ کا وہ زبردست پنجہ ہے جس کی گرفت سے ان میں سے ایک چیز بھی ایک سیکنڈ کے لئے باہر نہیں ہو سکتی ؎

اوست سلطان ہر چہ خواہد آں کند
عالمے را در دمے ویراں کند

مذکورہ بالا نظامات میں سے کسی کی طاقت ہے کہ وہ خدا کے دستِ قدرت کو کسی حکیمانہ تصرف سے روک دے۔

ہم ابھی تک باوجود اس قدر ادعاء علم و تحقیق کے الف (نظام طبیعی مادی) کے قوانین و نوامیس پر بھی پوری دسترس نہیں پا سکے جیسا کہ خود ماہرین طبیعیات کے اعتراف سے ثابت ہے۔ پھر ہم کو کیا حق حاصل ہے کہ جو چیز ہمارے زعم میں ان چند نوامیس طبیعیہ کے دائرہ سے اونچی ہو اسے جاہلانہ تکبر کے ساتھ ٹھکرا دیں۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر فرض کیجے کہ ہمارا علم نظامِ طبیعی، نظامِ روحانی اور نظامِ ملکوتی کے تمام نوامیس پر بھی محیط ہو جاتا (اگرچہ ایسا نہیں ہے) تب بھی آگے بڑھ کر فاطرِ ہستی کی لا محدود قدرت کو ہم مقید نہیں کر سکتے تھے، چہ جائیکہ صرف طبیعیات کے دس بیس قوانین پر مطلع ہو کر یہ اعلان کر دیں کہ جو واقعہ ہمارے حلقۂ علم سے خارج ہوگا وہ واقعہ نہیں ہے۔

خوارق کے انکار کا سبب علمی کم مائیگی ہے

خوارقِ عادات یا معجزات وکرامات وغیرہ کا انکار فی الحقیقۃ ہماری اسی تنگ نظری اور علمی کم مائیگی کا نتیجہ ہے ؎

اِذَا لَمْ تَرَ الْهِلَالَ فَسَلِّمْ لِنَاسٍ رَأَوْہُ بِالْاَبْصَارِ[1]

خوارق کا ثبوت متواتر ہے

ہماری استدعا یہ ہے کہ "خوارق" کو جھٹلانے والے تھوڑی دیر کے لئے ٹھنڈے دل سے اپنے علم و تحقیق کی حد اور قدرت اور قوانینِ قدرت کی پہنائیوں پر غور کریں پھر یہ بھی دیکھیں کہ ان خوارق کا ثبوت ہر زمانہ میں ہر جگہ، ہر قوم کے ہاں اور ہر عقیدہ اور مذہب کے پیروؤں کے نزدیک کس قدر تواتر اور استفاضہ سے ثابت ہے تو ان شاء اللہ تعالےٰ اُن کی جرأت نہ ہوگی کہ وُہ یک قلم خوارقِ عادات کے وجود یا امکان ہی سے انکار کر بیٹھیں۔

فادر ہل نے ٹھیک کہا ہے "دُنیا کے تمام مذاہب میں خواہ کسی

---

[1] جب تم نے خود چاند نہیں دیکھا تو تم کو اُن لوگوں کے قول پر اعتماد کرنا چاہیئے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے

کی بُنیاد فلسفیانہ اصُول پر ہو یا الہامی تعلیم پر، مُعجزات اس کثرت سے اور اس اختلاف انواع سے مروی ہیں کہ سب کے لئے خاص اصُول اور قوانین کی تلاش انسان کے لئے کم از کم اس وقت تک ناممکن ہے اور یہ بھی ضرُور ہے کہ اکثر بلکہ تمام مذاہب میں ماننے والوں کی خُوش اعتقادی یا طرز ادا کی وجہ سے بہت سے غلط واقعات بھی مُعجزات میں شامل ہو گئے ہوں گے۔ یا ایسے واقعات جو معمُولی قواعد جسمانی کے مطابق ظہُور پذیر ہوئے ہوں مُعجزہ کی شکل میں بیان کر دیئے گئے ہوں گے۔ مگر عقل یہ دعویٰ کبھی نہیں کر سکتی کہ تمام قوانین قدرت معلُوم ہو چُکے ہیں تاکہ جو واقعہ قوانین معلومہ کے مطابق حل نہ ہو سکے اس کو غلط کہہ دیں اور دُوسری جانب مذہب یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تمام رطب و یابس اور تمام صحیح و غلط روایات کو یکساں سر آنکھوں پر رکھ لیا جائے بلکہ ایسے موقعہ پر عقل جو کام کیا کرتی ہے مذہب اس سے زیادہ احتیاط کے ساتھ چلنے کو کہتا ہے"۔

سچا مذہب قوانین فطرت کا وسیع النظر مُعلّم ہے

مذہب کو عقل سے ٹکرانے کی ضرُورت نہیں اگر عقل قوانین قدُرت کے احترام پر زور دیتی ہے تو مذہب عقل کے اس جذبہ کی قدر کرتا ہے۔

سچا اور مکمّل مذہب فی الحقیقۃ قوانین فطرت اور سنن الہٰیۃ کا وسیع النظر مُعلّم ہے جو بار بار بتلاتا ہے کہ "سُنّۃ اللہ" کو کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی مگر ساتھ ہی متنبہ کرتا ہے کہ انسان کو سنن الہٰیہ اور نوامیس فطرت کا جو علم دیا گیا ہے۔ بہت تھوڑا ہے وہ بسا اوقات اُن کے سمجھنے میں ٹھوکر کھاتا

ہے اور بہت دفعہ قوانین قدرت کے کسی اعلیٰ اور ارفع مظہر کو اپنی حد پرواز سے باہر دیکھ کر خلاف قانون قدرت سمجھ بیٹھتا ہے اور روزمرہ کے معمول کے خلاف جو بات سنتا ہے اسے یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ یہ سنۃ اللہ کے مخالف ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔

سنۃ اللہ کے غیر متبدل ہونے کا غلط مطلب نہ لو

لیکن اگر سنۃ اللہ کے غیر متبدل ہونے کا یہی مطلب ہو تو دنیا کی تمام ترقیات کا دروازہ ہی بند ہو جائے دیکھو انسان نے ترقی کر کے حیوانی نظام کی جگہ اس سے کہیں زیادہ طاقتور جمادی سسٹم قائم کر دیا۔

ہزاروں سال کے بعد گھوڑوں، بیلوں، اونٹوں، ہاتھیوں کی جگہ بھاپ اور بجلی نے لیلی۔ اس کا یہ مطلب ہو گا کہ فاطر عالم نے دنیا کی عمر کا بہت ہی طویل حصہ گزر جانے کے بعد دماغی اور عقلی قوتوں کا ایسا جدید نظام پیدا کیا، جو چشم فلک نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اور اختراع و ایجاد کے ایسے انوکھے اصول کی طرف رہبری کی اور اس کے اسباب و رسائل فراہم کر دئے جن کے نتائج کو اگر اب سے دو چار صدی پہلے کوئی ذکر کرتا تو خالص مجنون یا وہم پرست سمجھا جاتا تو کیا ایسے قدرتی عوامل اور موہوب قوی کو جو ان ایجادات بدیعہ اور دماغی ترکتازیوں کے اسباب قریبہ یا بعیدہ ہیں بے شمار قرون و ادوار گزر جانے کے بعد پیدا اور اکٹھا کر دینا سنۃ اللہ کی تبدیل و تحویل اور قانون قدرت کا نقض و ابطال ہے۔

معجزات و خوارق کے انکار کا اصلی راز

معجزات یا خوارق کا انکار کرنے والے

خواہ زبان سے نہ کہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بے علم و بے شعور مشین کی طرح گھومنے والے مادہ کے سوا کسی ایسی ہستی کو عالم کی تخلیق و نظم میں دخل دینا گوارا نہیں کرتے جو مواقع و محال اور ازمنہ و امکنہ کے اختلاف و تفاوت کی قادرانہ و حکیمانہ رعایت کر سکے اور جب کبھی وہ کائنات کے اس باقاعدہ عظیم الشان محکم اور منتظم سلسلہ کو ایک علیم و حکیم، محیط کل اور قادر مطلق ہستی کی طرف منسوب کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ناچار اُن کو ایسی بڑی مضبوط مشین کے چلانے والے کا اقرار کرنا پڑ جاتا ہے تو پھر ان کی تمامتر کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اُس کو آزاد نہ رہنے دیں کہ وہ اپنی اعلیٰ قابلیت اور ماہرانہ محقق شناسی کو مشین کے گھمانے اور پرزوں کے ردّ و بدل میں اُن کی خواہش اور رائے کے خلاف استعمال کر سکے اور اس طور پر وہ ہمارے علم کو محدود اور ہمارے فہم کو ناقص یا نامکمل ثابت کر دے۔

خوارق کا قانون خود خوارق کے منکروں نے بنوایا لیکن انسان کی یہ جھوٹی شیخی، تنگ نظری اور غیر محدود قوانین قدرت کی مغرورانہ تکذیب ہی وہ چیز ہے، جو قدرت کے اس عمل کو حق بجانب ثابت کرتی ہے کہ وہ گاہ بگاہ ایک ایسے نظام تکوین سے بھی دنیا کو روشناس کرے جو ہمارے سمجھے ہوئے قوانین اور محدود و منضبط کئے ہوئے نوامیس طبیعیہ سے بالاتر ہو تاکہ اُن رعونت پسند گستاخوں کو بھی (جو معاذ اللہ قدرت نامتناہیہ کو اُس کے پیدا کئے ہوئے چند اسباب ظاہرہ کی زنجیروں میں جکڑ دینے کا خبط رکھتے ہیں، طوعاً و کرہاً یقین کرنا پڑے کہ اُن سے اور ان کے ایتھر (مادہ) سے

اوپر کوئی اور غالب و قاہر ہستی بھی ہے جس نے تمام نوامیس طبیعیہ اپنے ارادہ اور کامل اختیار سے وضع کئے ہیں اور وہ ہی ہر وقت اُن پر پوری طرح قابو یافتہ ہے۔

پس ایک حقیقۃ ثابتہ کے منکر کو اس حقیقت کا منوا دینا جس کے انکار میں خسرانِ عظیم ہے اور عاجز و کم مایہ مخلوق کو متنبہ کرنا کہ وہ اپنی حد سے گزر کر خالق کی قدرت کاملہ اور علم محیط کا انکار نہ کر بیٹھے کیا یہ خود عین قانونِ قدرت نہیں ہے؟

اگر سچ پوچھو تو جن چیزوں کو خوارق عادات کہتے ہیں۔ اُن کا قانون خود خوارق کے منکروں نے بنوایا ہے۔ جب یہ لوگ عام قوانینِ فطرت کی اعجوبہ کاری کو خود مقنن کی حکمت بالغہ، اختیار کامل اور شان خَلَّاقٌ لِّمَا يَشَاءُ وَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ کی طرف منسوب کرنے میں بھی تردد کرنے لگے تو ضروری ہوا کہ اِن قوانین کو "قوانینِ قدرت" ثابت کرنے کے لئے قدرت ہی کوئی سامان کرتی۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے آج تک قدرۃ بے شمار خوارق ظاہر کرتی رہی جنہیں دیکھ کر خواہی نخواہی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جو فعل جن وسائط کے ذریعہ سے عموماً ہوتا رہتا ہے اُسے بلاواسطہ کرنے میں بھی قدرت کو کچھ تعب نہیں ہوتا۔

خوارق کے ماننے سے قوانین طبیعیہ کا اعتبار زائل نہیں ہوتا

اس طرح کے خوارق جو بظاہر عام قوانین طبیعیہ کو توڑنے والے ہیں ہمارے دل سے ان عام قوانین کی عظمت اور اعتبار کو اسی طرح زائل نہیں ہونے دیتے جیسا کہ کروڑوں انسانوں کے دلوں سے یہ علم کہ بہت دفعہ

ٹرینوں کا تصادم ہو جاتا ہے، یا پٹڑی اکھڑ جاتی ہے، یا پُل ٹوٹ جاتے ہیں، ریلوے ٹرین کا اعتبار زائل نہیں کرتا کہ وہ اس میں سفر کرنا چھوڑ دیں۔

پس خوارق کی موجودگی میں بھی ہم علم قوانین طبیعیہ سے اسی طرح مُستفید ہو سکتے ہیں جس طرح ہم ریل کے سفر سے باوجود مذکورہ بالا حوادث کے برابر متمتع ہوتے رہتے ہیں۔

خوارق کا وجود دماغی ترقی کا سبب ہے

خوارق کا وجود ہمارے علمی اور دماغی ترقیات کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں بلکہ ٹھیک ٹھیک کہا جائے تو شدید فکر کے لئے مہمیز کا کام دیتا ہے اور اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ وہ آپ کی ارتقائی کوششوں کے راستہ میں حائل ہے تو افسوس یہ ہے کہ اس کا راستہ سے ہٹا دینا بھی آپ کے قبضہ میں نہیں۔

خوارق کی انبیاء کی طرف نسبت مُلحدین کو زیادہ تکلیف دہ ہے

تماشہ یہ ہے کہ عام قوانین فطرت کی فضا میں جب بعض غیر معمولی واقعات حسب اتفاق پیش آجاتے ہیں تو ہم ان کے ماننے والوں سے جنگ نہیں کرتے لیکن اسی کے مشابہ کوئی چیز جو روزمرّہ کے عام معمول سے ذرا مستبعد ہو اگر کسی بڑے سے بڑے جلیل القدر پیغمبر کی طرف منسوب ہو جائے تو فوراً شکوک و شبہات کی لہر ہمارے دلوں میں دوڑنے لگتی ہے اور اس کی نفی کرنے کی ہر ممکن صورت پر ہم غور کرنے لگتے ہیں۔

فرانس کے مشہور و معروف فیلسوف کامل فلامر یون نے اپنی کتاب "المجہول والمسائل الروحیہ" میں ایسی عورت کا ذکر کیا ہے جس کا ایک

پستان بائیں ران میں تھا۔ اور وُہ بچہ کو اس سے دوُدھ پلاتی تھی۔ یہ عورت ۱۸۲۷ء میں پیرس کی جیتہ فضلا کے رُوبروپیش ہوئی۔

پھر ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں کہ ایک مرد کے پیٹ سے تشریح کے بعد لڑکا نکلا جو اس مرد کا توام تھا۔ اسی کے جسم میں مدۃ العمر محبوس رہا، داڑھی نکلی اور بوڑھا ہوا۔

اب غرض کیجئے کہ اسی طرح کے فلتات طبیعیہ کو اگر کوئی شخص یہ کہدے کہ فلاں پیغمبر کے اعجاز فلاں ولی کی کرامت سے فلاں زمانہ میں ایسا ہوا تھا تو منکرین اعجاز کسی نہ کسی عنوان سے اس کی تردید پہ فوراً کمربستہ ہوجائینگے۔

جاپان میں قیامت خیز زلزلہ آیا، کتنی ہی بستیاں تباہ ہوئیں اور کتنی ہی مستحکم عمارتیں منہدم ہوگئیں۔

چند سال ہوئے ضلع ہردوئی میں بگولہ اُٹھا جس سے ایک جھیل کا پانی بالکل اُڑ گیا اور دوسری جگہ جھیل بن گئی۔ اسی طرح کے اوقات جو خوارق میں سے نہیں۔ صرف قلیل الوقوع ہیں۔ ہم سنتے ہیں اور ایک منٹ کے لئے بھی اُن کو غلط نہیں سمجھتے۔

لیکن کیا قیامت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت اگر معتبر سے معتبر راوی بھی یہ خبر دے کہ ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا، اس کے چودہ کنگرے گر پڑے یا دریائے ساوہ خشک ہوگیا یا فارس کی ہزار سالہ آگ بجھ گئی تو متشککین کو اس کے ماننے میں پس و پیش ہونے لگتا ہے!

خیال کیجیے زلزلہ کا آنا کسی بڑی سے بڑی عمارت کا شکستہ ہونا، دریا کا خشک ہو جانا اور آگ کا بجھنا ان میں سے کونسی چیز محال ہے، یہ چیزیں توفی حد ذاتہ خوارق میں سے بھی نہیں۔ پھر اگر یہ ہی چیزیں سب سے جلیل القدر، اور اولوالعزم پیغمبر کی قرب و وجاہت ظاہر کرنے یا اس کے عظمت مآب مستقبل کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حق تعالیٰ ظاہر فرماتا ہے تو تم کو کیوں تردد ہونے لگتا ہے۔

روح کے متعلق یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے تاثیر و تاثر میں بعد مکانی یا زمانی خلل انداز نہیں ہوتا اور اس جوہر لطیف و نورانی کو اپنے عمل میں مسافت جسمانی کی کچھ پرواہ نہیں۔

پس اگر رُوح محمدی صلعم کی نورانیت عظیم نے حضرت آمنہ کے لئے مکہ سے بُصریٰ تک روشن کر دیا تو اس میں کیا اشکال ہے۔

کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ خداوند قادر و توانا، نظام تکوین اور قوانین طبیعیہ کے استعمال میں کوئی تصرف آپ کی اطلاع اور مشورہ کے بدون نہ کیا کرے (نعوذ باللہ)

اس کی امید آپ خدا سے تو کیا، اُس مسکین انیہر سے بھی نہ رکھیں جو ہر قسم کے علم و شعور، قدرت اور ارادہ سے محروم ہے۔

خوارق کا ماننا وہم پرستی نہیں آپ خوارق و معجزات کے ماننے والوں کو "سادہ لوح" اور "وہم پرست" کہا کریں لیکن تاریخی اوراق آپ کو بتلائینگے کہ اسی قسم کے "سادہ لوحوں" اور "وہم پرستوں" نے دنیا کو حکیمانہ حقائق

سے معمور اور وہم پرستیوں سے نفور کیا ہے۔ ان ہی وہم پرستوں میں ایسے ایسے عالی ہمت اور اولوالعزم انسان اُٹھے ہیں جنہوں نے بنی نوع انسان کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور اوہام و تخیلات کا سارا تار و پود بکھیر کر رکھدیا۔

صداقت کے اعلان سے گھبرانا نہیں چاہیئے

بلاشبہ آج دُنیا کی فضا بہت کچھ بدل چکی ہے اور "خوارق" کا نام زبان پر لانا بڑی بہادری کا کام ہے۔ لیکن ایک صداقت کے ماننے اور اعلان کرنے میں آدمی کو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ وہ وقت آنے والا ہے کہ یہی "خوارق و معجزات" کا مذاق اُڑانے والے اُن چیزوں کے ثابت کرنے کے درپے ہوں گے جن کو آج رد کر رہے ہیں۔

صداقت، ممکن ہے کہ اپنا صاف چہرہ دکھلانے میں کچھ تاخیر کرے لیکن وُہ ضرور ایک دن ایسی طرح متجلّی ہوگی کہ دیکھنے والے اُس سے آنکھیں نہ چرا سکیں گے۔

انجام ہمیشہ صداقت کے ہاتھ ہے

دیکھو! دُنیا کے سب سے بڑے موحّد صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب نعرۂ توحید بلند کیا تو رُوئے زمین پر کوئی بھی ہمنوائی کرنے والا نہ تھا لیکن فضائے کعبہ سے توحید کا جو "صور" پھونکا گیا آج ہم مندروں اور کلیساؤں تک میں اس کی گونج محسوس کر رہے ہیں۔

آج جو اقوام دولت توحید سے تہیدست ہیں وُہ بھی اندر ہی اندر اپنی محرومی اور تہیدستی کا ماتم کرتی ہیں اور موحّدین کے رُوبرُو شرم سے اُن کو سر اُٹھانا مشکل ہے۔

ہم کو یقین ہے کہ اسی طرح ایک دن پیغمبروں کے اعجاز اور اولیاء کی

کرامات کا انکار کرنے والے بھی اپنے اس جہل اور ضیق نظر پہ پشیمان ہونگے جس کا نام انہوں نے علم رکھ چھوڑا ہے اور جیسے وہ سائنس کی بڑی بھاری عقیدت مندی سمجھتے ہیں۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

سائنس خوارق کی تسلیم کیلئے راستہ صاف کر رہی ہے

ہم نے احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پڑھا تھا انی واللہ ابصر من ورائی کما ابصر من بین یدی یعنی میرا دیکھنا مواجہہ پر موقوف نہیں بلکہ پیٹھ پیچھے کی چیزیں بھی مجھے ایسے ہی نظر آتی ہیں جیسے کہ سامنے کی۔

بہت سے متفلسفین اس کو قانون فطرت کے خلاف سمجھ کر درپئے تاویل ہو گئے تھے لیکن حافظ ابن حجر وغیرہ محققین نے حدیث کو ظاہر پر حمل کر کے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص اور خوارق عادات میں شمار کیا۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز ماہر علم بصارت نے انسان کی جلد میں قوت باصرہ کے راز پر روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ انسان کے بدن کی جلد کے نیچے چھوٹے چھوٹے ذرات پائے جاتے ہیں جو سارے جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ذرے ننھی ننھی آنکھیں ہیں، ان میں اسی طرح تصویر اتر آتی ہے جس طرح آنکھ کی پتلی میں اترتی ہے، یہ خیال کہ انسان کی کھال بھی اسی طرح دیکھتی ہے جس طرح آنکھیں، کوئی نیا نہیں ہے، آپ جب کسی نابینا شخص کو بازار میں بھیڑ سے بچ کر گزرتے دیکھتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ یہ تو اندھا ہے اسے راستہ کس طرح سوجھتا ہے۔ انسان کی پیشانی کی جلد کے متعلق یہ خیال ہے کہ اس میں قوت باصرہ موجود ہے، یہ دماغ کو اسی طرح پیغام پہنچاتی ہے

ڈاکٹر فرگول کا بیان ہے کہ آج سے ہزاروں سال پیشتر آنکھوں کے بغیر پڑھنے کا ہنر اپنے کمال کو پہنچا ہوا تھا اور عام طور پر رائج تھا۔ لیکن جب انسان کو یہ معلوم ہوا کہ وہ آنکھوں سے بھی وہی کام لے سکتا ہے جو بدن کی جلد سے لیتا ہے تو اس نے جلد سے دیکھنے کا طریق ترک کر دیا اور بالآخر جلد سے دیکھنے کی قابلیت اس میں سے مفقود ہو گئی، اگر اس حس کو دوبارہ ترقی دی جائے تو تعجب نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ سے اندھے بھی دیکھنے لگیں۔

بہر حال سائنس کی ترقی خوارق کی تفہیم میں بہت کچھ مدد دے رہی ہے اور اسی لئے ہم یہ اُمّید رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ سائنس کے پجاری خوارق کی تسلیم کے لئے گردن جھکا دیں گے۔

ابھی چند روز پہلے جب یہ سُنتے تھے کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درخت جھک گئے یا اُنھوں نے حضُور کو سلام کیا یا حضُور کے ایماء سے وہ اپنی جگہ سے سرک گئے تو ملحدین ان قصوں کی "اساطیر الاوّلین" کہہ کر ہنسی اُڑاتے تھے، اور ان بیانات کو پُرانے مسلمانوں کی خوش اعتقادی یا وہم پرستی پر محمول کرتے تھے۔ لیکن آج ماہرین علم نباتات نے نباتاتی زندگی کے جو حیرت انگیز حالات ظاہر کئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ درخت اور پودے فی الواقع زندگی کے وہ تمام حسیات و تاثرات اپنے اندر رکھتے ہیں جو ابھی تک ذی رُوح مخلوق کی خصوصیت سمجھے جاتے تھے۔ ہر شخص جو نباتاتی زندگی سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے۔ جانتا ہے کہ پودے اور پھول بھی اپنی غذا کھاتے، اپنا پانی پیتے اور اپنی نیند سوتے ہیں۔ ان میں بھی جنسوں کا وصل و جفت ہوتا

ہے۔ ان کی بھی نسل چلتی ہے اور ان میں بھی بڑھاپا آتا ہے اور وہ بھی بالآخر موت کے چنگل میں پھنستے ہیں۔

لیکن بہت کم لوگ یہ یقین کرنے کے لئے تیار ہوں گے کہ پودے دیکھنے اور سننے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔ آپس میں بات چیت بھی کرتے ہیں، ان پر عشق و محبت کا وار چلتا ہے۔ رنج و غم ان کو بھی ستاتا ہے اور وہ بھی ہماری طرح جذبات و حسیات سے تاثر پذیر ہوتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض پودے اور پھول محض ہاتھ لگا دینے سے سکڑ جاتے ہیں اور ذرا سے اشارے سے بند ہو جاتے ہیں، اسی ذکی الحسی کی وجہ سے ایک پودے کا نام ہی "چھوئی موئی" پڑ گیا ہے۔

یہ تو وہ حالات ہیں کہ ہر انسان اپنی چشم عریاں سے دیکھ سکتا ہے لیکن آپ ہی کے ایک ہموطن ماہر سائنس یعنی "سر جگدیش چندر بوس" نے اپنی مدت العمر کے تجربات سے پودوں اور درختوں کے جو حالات اپنے ایجاد کردہ عجیب و غریب آلات کے ذریعہ معلوم کئے ہیں۔ ان سے علم نباتات میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔

آپ تو پھول میں سوائے رنگ و بو کے اور کوئی رازِ فطرت نہیں پاتے لیکن آپ "سر جگدیش چندر بوس" کی جدید تصنیف کا اگر مطالعہ کریں جو پلانٹس آٹوگرافس اینڈ دیر ریویلیشن کے نام سے حال ہی میں شائع ہوئی ہے تو آپ کو معلوم ہو کہ اس ماہر فن نے پودوں پر کس کس قسم کے تجربات کر کے کیسے کیسے حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں اور ان سے فطرت کے کیسے کیسے

رازہائے سربستہ معلوم ہوئے ہیں، ان حالات کے دیکھنے اور معلوم کرنے سے بے اختیار زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا ہے ؎

برگ درختانِ سبز درنظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتر یست معرفتِ کردگار

مختلف قسم کی ادویہ کا پودوں پر بعینہٖ وہی اثر مترتب ہوتا ہے جو انسان یا جانور پر ہوتا ہے "کلوروفارم" پودے کو بھی اسی طرح بیہوش کر سکتا ہے جس طرح ہمیں آپ کو،

ایک ایسا آلہ "سربوس" نے بنایا ہے جس سے پودے کی حالتِ خواب کا آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

سب سے زیادہ ذکی الحس پودہ "مائی موزہ" ہے کہ ایک ذراسی بدلی چھا جانے سے وہ اونگھنے لگتا ہے اور شعاع آفتاب پڑنے سے فی الفور چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔ حالتِ خواب و بیداری کے تجربے اس پودے پر خوب کئے جاتے ہیں۔

اس کے برخلاف "جھنگا پھول" کا پودہ ہے جو دریائے گنگا کے کنارے "بنگال" میں زیادہ ہوتا ہے، یہ دن کے وقت خواب استراحت میں رہتا ہے اور شب میں اپنی پوری بہار دکھاتا ہے۔ افریقہ میں ناریل کے ایسے درخت ہیں جو ساحل سمندر کی سخت اور تیز ہوا کی وجہ سے ایک طرف کو بالکل جھکے ہوئے ہوتے ہیں لیکن صبح کے وقت جب یہ ہوا نہیں چلتی یہ درخت بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کے پھل توڑنا بڑا دشوار

کام ہے لیکن وقت مقررہ پر یہ سب پھر جھک جاتے ہیں اور دوسری صبح کو پھر اسی طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

"بنگال" کے اُس "تاڑ" کے درخت کا حال تو اکثر لوگوں کو معلوم ہوگا جو کہ طلوع آفتاب کیساتھ بیدار ہوتا ہے اور تدریجاً زمین سے اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا۔ لیکن جوں جوں سورج ڈھلتا جاتا تھا یہ درخت بھی جھکنے لگتا تھا اور غروب آفتاب کے ساتھ یہ بھی سربسجود ہو جاتا تھا۔

کیا نباتات کے متعلق یہ جدید انکشافات اور سر بوس کی تصانیف پڑھ کر کسی انصاف پسند طالب حق کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ "سیرۃ النبی" صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن مستند و معتبر حقائق کی تکذیب کر دے جو نباتات میں حس و شعور، ارادہ، نطق اور جذبات محبت وغیرہ کی موجودگی پر دلالت کرتے ہیں

ہم اسلامی تاریخوں میں "یا ساریۃ الجبل" کا مشہور واقعہ پڑھتے تھے لیکن "وائرلیس" کی ایجاد سے پہلے ہمارے لئے یہ سمجھانا کس قدر مشکل تھا کہ شاید ایک روحانی "وائرلیس ٹیلیفون" کے ذریعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز ساریہ رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی ہو۔

عالمگیر جنگ کے زمانہ میں ایک لاسلکی پیام پیٹرو گریڈ سے لندن کو چلا راستہ میں بعض جرمن اُسے جذب کرنے لگے۔ اوپر سے ایک فرانسیسی طیارہ نے ان جذب کرنے والوں پر بم پھینکا اور جرمن اپنی سعی میں ناکام رہے۔

دیکھئے یہ مادی واقعہ اس روحانی واقعہ سے کس قدر مشابہت رکھتا ہے کہ عرش سے جو لاسلکی پیام سرزمین حجاز کو جا رہا ہے شیاطین اُس کو اُچکنا چاہتے

ہیں لیکن اوپر سے شہاب ثاقب کا گولہ ان کا کام تمام کر دیتا ہے اور وُہ ناکامیاب و نامُراد دھکیل دیئے جاتے ہیں۔

اِس قسم کے ہزار ہا سائنٹیفک شواہد و نظائر نے خوارق اور دیگر مشکل اور غامض مسائل کی تفہیم کے متعلق ہمارے کام کو بہت آسان کر دیا۔ اور قوانین قدرت کی نسبت اپنی تنگ نظری اور کم مائگی کی بنا پر جو غلطیاں ہم کر رہے تھے ان میں سے بہت سی اغلاط کی اصلاح کر دی ہے

اب قانون کا لفظ اِستعمال کرتے وقت ہم کو بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے اور کسی چیز کو روزمرّہ کے معمول کے ذرا خلاف دیکھ کر جھٹ پٹ یہ دعوٰے نہیں کر سکتے کہ وُہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ "قانون قدرت" کے اس لفظ سے بھی ہم کو بہت کچھ دھوکا دیا گیا ہے۔ یہ لفظ مرعوب کرنے والا تو بہت ہے مگر ہم جس مضمون کو اس لفظ سے ادا کرنا چاہتے ہیں اُس کی یہ صحیح تعبیر نہیں، فی الحقیقت جس چیز کا نام ہم نے "قانون قدرت" رکھا ہے وہ "قانون عادت" ہے۔

قدرت اور عادت یہ دو لفظ ہیں جن کا فرق اُن کے سادہ مدلول ہی سے ہویدا ہے۔ ایک کام کی قدرت (یعنی کر سکنا) اور ایک اس کی عادت (یعنی کرتے رہنا) دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

ہر انسان اپنے تئیں محسوس کرتا ہے کہ خورد و نوش، لباس، سواری اور معاشرت کے متعلق جو امور اُس کی عادت میں داخل ہیں وُہ اُن کے خلاف پر بھی قادر ہے۔ گو اُن کے خلاف عمل کرنا اس کی عادت میں داخل نہیں۔ اسی طرح

جو لوگ خدا کی ہستی اور اُس کی قدرت کے قائل ہیں اُن کو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خدا کی قدرت، ارادہ، عادت، یہ تینوں ایک دوسرے سے بالکل متمیز ہیں۔ ضروری نہیں کہ جو کچھ خدا کر سکتا ہے وہ سب کر ڈالے، اور جو کر ڈالے اُسی کو بار بار اور ہمیشہ کرتا رہے، خدا کی قدرت اور عادت کو مترادف ثابت کرنے کی کوئی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ ایسے دلائل موجود ہیں جو قدرت اور عادت کے تفاوت کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔

دیکھو! ہم اُس قادرِ مطلق کی یہ عادت برابر دیکھتے چلے آتے ہیں کہ وہ بچہ کو رحم مادر سے نکالتا ہے اور پھر بتدریج پرورش کرتا ہے چنانچہ ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھا کہ کوئی جوان انسان یوں ہی آسمان سے گرا دیا گیا ہو یا زمین سے اُگ آیا ہو، مگر اس کے باوجود ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس کی عادت مستمرہ کے خلاف رحم اور نطفہ کے توسط کے بدون انسان کو پیدا کرنا بھی خدا کی قدرت میں داخل ہے۔ آخر ابتداء آفرینش میں جب انسان پیدا کیا گیا تو یقیناً اس کی کیفیت اس متعارف طریقۂ پیدائش سے بالکل علیحدہ تھی اور تمام اقوام و ملل کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس وقت ایک یا متعدد انسان بغیر ازدواجی توسل اور موجودہ قانون تناسل کے جوان جوان محض خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ سے پیدا ہو گئے۔

پس جو مذہب یہ تسلیم کرتا ہے قطعاً حق نہیں رکھتا کہ وہ اس کے بعد قادر مطلق کو ظاہری سلسلۂ اسباب میں ایسا جکڑ بند کر دے کہ خواہ کیسی ہی حکمت اور مصلحت کا اقتضاء ہو مگر وہ ایک منٹ کے لئے ان اسباب کے سلسلہ سے

علیحدہ ہو کر کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے سے بھی مجبور اور عاجز ٹھہرے؟
سبب و مسبب اور علت و معلول کے تمام سلاسل کو کسی ایسی حد پر ختم کرنا ضروری ہے جہاں خلاق عالم کا دست قدرت اسباب و وسائط کو چھوڑ کر براہ راست کسی چیز کو موجود کرتا ہے۔ پھر کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہزاروں یا لاکھوں سال گذر جانے کے بعد حق سبحانہ و تعالیٰ میں جو احد یزل و لا یزل ہے (معاذ اللہ) وہ زور قدرت باقی نہیں رہا جو اسباب سے الگ ہو کر اب کسی چھوٹی یا بڑی چیز کو ایجاد کر سکے
بلا شبہ اس کے کمالات لازوال اور ہر قسم کے نقص و نتور سے بکلی منزہ ہیں اور اس کی قدرت میں یقیناً یہ داخل ہے کہ جب چاہے سبب کو بدون مسبب کے اور مسبب کو بدون سبب کے پیدا کر دے مثلاً آگ موجود ہو اور نہ جلائے یا کوئی چیز جل جائے مگر آگ موجود نہ ہو۔
بے شک آگ سے جلانا اس کی عام عادت ہے لیکن اگر کبھی کسی مصلحت سے اس عادت کے خلاف ظاہر ہو تو وہ بھی تحت القدرۃ ہے۔
خرق عادت یعنی کبھی کبھی سلسلۂ اسباب سے علیحدہ ہو کر محض قدرت اسمہ کے اظہار کے طور پر کوئی کام کرنا قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ ہاں عام عادت اور معمول کے خلاف ہوگا۔ لہٰذا اس کو قانون عادت کے خلاف کہنا صحیح ہو تو ہو مگر قانون قدرت کے خلاف قرار دینا اس لفظ کا غلط استعمال اور مغالطہ آمیز تعبیر ہے
قدرت اور عادت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اسباب سے مسبب کا

پیدا کرنا، خدا کی عادت ہے اور بلاسبب کے مسبّب بنا دینا قدرت کا کام ہے اسباب کا سارا سلسلہ قدرت کا بنایا ہوا ہے نہ یہ کہ قدرت اسباب کی بنائی ہوئی ہے اور اسی لئے قدرت تو اسباب پر حاکم ہو گی، لیکن اسباب معاذ اللہ قدرت کے پاؤں میں زنجیر نہیں ڈال سکتے۔

عادتِ عامہ و خاصہ

معجزہ خدا کی خاص عادت ہے | قدرت اور عادت کی اس تفریق کے وقت ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہیئے یعنی جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں عادت کی بھی دو قسمیں ہیں:-

(۱) عادتِ مستمرّہ عامّہ (۲) عادت موقتہ خاصّہ

عادت عامّہ مستمرّہ سے میری مُراد وہ عادت ہے جس کا استعمال بکرّات و مرّات، جلد جلد اکثر اور بیشتر اوقات میں ہوتا رہتا ہے اور اس کے بالمقابل "عادت خاصّہ موقتہ" وہ ہو گی جس کا تجربہ گاہ بگاہ نادر مواقع میں ہُوا کرے۔

مثلاً ایک شخص کو ہم دیکھتے ہیں کہ بڑا نرم خو، حلیم الطبع اور بُردبار ہے، ہزار گالیاں سُننے اور اشتعال دلانے پر بھی اُسے غصّہ نہیں آتا لیکن اس کے باوجود بارہا یہ بھی تجربہ کیا گیا ہے کہ جب کبھی مذہب پر حملہ ہو یا اُس کے سامنے پیغمبر علیہ السلام کی ادنیٰ سی توہین کی جائے اُسی وقت غصّہ سے بیتاب

ہو کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے تو توہین کے وقت اس کی یہ سخت گیری اور درشتی اگرچہ اس کی عام عادت (بردباری، عفو و درگزر) کے مخالف ہے لیکن وُہ بجائے خود اس کی ایک خاص اور مستقل عادت ہے جس کے تجربہ کا موقع گاہ بگاہ اس کے اسباب مہیا ہونے پر ملتا رہتا ہے۔

یاد رکھو! جس چیز کا نام ہم معجزہ رکھتے ہیں وُہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے جو اس کی عام عادت کے گو خلاف ہو مگر عادت خاصہ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اُس کے موافق ہوتا ہے، کیونکہ خاص اوقات میں مخصوص مصالح کی بنا پر عام عادت کو چھوڑ کر خوارق و معجزات کا ظاہر کرنا یہ بھی حق تعالیٰ کی خاص عادت ہے سلسلۂ اسباب و مسببات کا قائم رکھنا اگرچہ اس کی عام عادت ہے لیکن بار بار یہ بھی تجربہ ہو چکا ہے کہ جب اپنے سفراء اور مقربین کی تصدیق کرانا ہوتی ہے تو ان کے ہاتھوں پر وہ غیر معمولی علامات ظاہر کرتا ہے جس سے دنیا سمجھ لے کہ بیشک یہ اس کے سفیر اور مقرب و معتمد ہیں جن کے دعوے کی تصدیق و تنویہ کے لئے وُہ خلاف معمول چیزیں پیش کر کے ساری مخلوق کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دیتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیئے۔ عقل اور فطرت کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ خُدا اپنے خاص وفادار بندوں کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو دُوسروں سے نہ کرے، کیا ایک گاؤں کے مکھیا یا نمبردار کے کہنے سے وائسرائے وہ کام کر سکتا ہے جو ایک صوبہ کے گورنر کے کہنے سے کرتا؟

ماں، باپ، بیوی، اولاد، احباب، اقارب، حکام، رعایا غرض ہر ایک کے ساتھ انسان کا معاملہ اور اس کی عادت جُداگانہ ہوتی ہے جو ثابت کرتی

ہے کہ یہ حاکم ہے یہ محکوم ہے ، یہ باپ ہے ، یہ لاڈلا بیٹا ہے ، لبسا اوقات جو بے تکلفی یا خلاف طبع امور کا تحمل آدمی اپنے مخلصوں اور دوستوں کی رعایت سے کر لیتا ہے وہ ہرگز ساری دُنیا کے دباؤ سے نہیں کر سکتا ۔ ایک استاد کا خاص خاص شاگردوں کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے وہ تمام طلبہ سے مستثنیٰ ہوتا ہے ، ان سب صورتوں میں عام عادت سے علیحدہ معاملہ کرنا ہی قرین قیاس اور عقل و فطرۃ کے موافق ہے ، تاکہ تفاوت مراتب اور اختلاف مدارج کے سمجھنے میں کوئی مغالطہ اور اشکال نہ رہے ۔

اس امر کو ملحوظ رکھ کر میں یہ کہتا ہوں کہ معجزہ فطرت کا مقتضا ہے اس کے مخالف کیونکر ہو سکتا ہے ۔ بلکہ اگر معجزات ظاہر نہ ہوں تو یہ حکمت کے خلاف ہوگا سفاہت ہوگی ۔

جو لوگ خدا کے یہاں وجیہ ہیں اپنی جان ، اپنی آبرو ہتھیلی پر رکھ کر خُدا کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور خُدا ہی ان سے یہ دعویٰ کراتا ہے کہ وہ آج تمہاری سب کی نجات میرے اتباع میں منحصر ہے تو ضروری ہے کہ اُن کی وجہ سے علم عادت سے بالاتر کارنامے خُدا کی قدرت کے ظاہر ہوں جو کہ تمام دُنیا کو اپنی نظیر پیش کرنے سے تھکا دیں اور تمام مخلوق کو عاجز کر دیں ، یہ ہی معنی ہیں معجزہ کے ،

یاد رکھیئے کہ "معجزہ" خُدا کا فعل ہوتا ہے ۔ اس کو نبی کا سمجھنا سخت غلطی ہے ۔

خدائی فعل انسانی افعال سے بداہۃً ممتاز ہوتا ہے | بلاشبہ خُدائی فعل اور

بندوں کے افعال میں نمایاں امتیاز ہوتا ہے۔ خدائی کام کی نقل بندہ اُتار لیتا ہے لیکن عاقل مبصر کو اصل اور نقل میں کبھی التباس بھی نہیں ہو سکتا۔
گلاب خدا کا بنایا ہوا ہے۔ اب تم بھی کاغذ وغیرہ کے پھول بناتے ہو تمہارے پھول پر پانی کا ایک چھینٹا پڑ جائے تو تمہاری صنعت کا سارا پول کھل جاتا ہے لیکن قدرتی پھول پہ پانی گرتا ہے تو اس میں اور زیادہ صفائی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔
انسان جانداروں، درختوں، پھولوں کی تصویر کھینچ لیتا ہے مگر مچھلی کی آنکھ، مکھی کا پر، مچھر کی ٹانگ، بلکہ ایک جَو کا دانہ تمام عالم مل کر بھی نہیں بنا سکتا، لاکھوں مجسمے، کروڑوں بیل بوٹے دنیا کے صنّاع بناتے ہیں، مگر مچھر کا ایک پر بنانے سے بالکل عاجز ہیں۔ لن یّخلقوا ذُبابًا وّلو اجتمعوا له (البقرۃ)
اسی کا نام خدائی فعل ہے اور جب ایسا فعل بدون توسط ان اسباب کے جو اس کی تکوین کے لئے متعارف ہیں کسی مدعی نبوت کے ہاتھوں پر ظاہر ہو اس کا نام معجزہ ہو جاتا ہے۔
معجزہ کوئی فن نہیں پس جب یہ ثابت ہوا کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو بدون تعاطی اسباب کے ظہور پذیر ہو تو دوسرے خدائی کاموں کی طرح اس میں بھی کسی صانع کی صنعت کو دخل نہیں ہو سکے گا۔ بنابریں تنجیم، کہانت مسمریزم، سحر، شعبدہ بازی کی طرح معجزہ کوئی فن نہیں جو تعلیم و درس سے حاصل ہوتا ہو۔ یہ فنون سیکھنے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن معجزہ میں نہ تعلیم و تعلّم ہے، نہ انبیا کا کچھ اختیار اس میں چلتا ہے نہ معجزہ صادر کرنے کا کوئی خاص

ضابطہ اور قاعدہ ان کو سکھلایا جاتا ہے کہ جب چاہیں ویسا عمل کر کے ویسا ہی معجزہ دکھلا دیا کریں بلکہ جس طرح ہم قلم سے لکھتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلم لکھتا ہے اور فی الحقیقت اس کو لکھتے ہیں کوئی اختیار نہیں ہوتا یہی صورت معجزہ کی بھی ہے ایسا نہیں کہ انبیا جس وقت چاہیں مثلاً انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیں بلکہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ مقتضی ہوتی ہے جاری ہو سکتے ہیں، برخلاف فنون سحریہ وغیرہ کے جو تعلیم و تعلم سے حاصل کئے جاتے ہیں ان پر جس وقت چاہیں قواعد مقررہ اور خاص خاص اعمال کی پابندی سے یکساں نتائج اور ایک ہی طرح کے آثار و کیفیات دکھلائے جا سکتے ہیں مگر آج تک مدعیان نبوت و اعجاز کی طرف سے کوئی درسگاہ معجزہ سیکھنے سکھانے کی نہ بنی، نہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ ممہد ہوا، نہ کوئی کتاب تنجیم مسمریزم سحر کی طرح معجزات سکھلانے والی تصنیف کی گئی بلکہ وہ خدا کا فعل ہوتا ہے جو تمام دنیا کو تھکا دیتا ہے۔ اگر افعال میں سے ہے تو اس جیسے فعل سے دنیا عاجز ہے اور اگر اقوال میں سے ہے تو اس جیسے کلام سے تمام دنیا کے بولنے والے مجبور اور درماندہ ہیں، رسول کے اختیار یا قدرت کو بھی اس میں پورا دخل نہیں، اسی واسطے انبیاء سے جب معجزات طلب کئے گئے تو انہوں نے اللہ پر محمول کیا، فرماتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا

اَوْتَاْتِیَ بِاللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیْلًا o اَوْیَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ ۚ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا o

(اور وہ تم سے کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان نہیں لائیں گے کہ یا تو ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ بہا نکالو یا کھجوروں انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ میں تم بہت سی نہریں جاری کر دکھاؤ یا جیسا کہ تمہارا خیال ہے آسمان کے ٹکڑے ہم پر لاکر گراؤ۔ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکھڑا کرو یا رہنے کے لئے تمہارا کوئی طلائی گھر ہو یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور جبتک تم وہاں سے ایک کتاب اُتار کر نہ لاؤ کہ ہم آپ اُس کو پڑھ لیں ہم تمہارے چڑھنے کو بھی باور کرنے والے نہیں۔ کہدو (اے محمد صلعم) کہ میں رسُول تو ہوں مگر بشر رسُول ہوں (خدا نہیں ہوں یعنی معجزہ تو بشر کا فعل نہیں ہے خُدا کا فعل ہے۔ میرے قبضہ میں یہ نہیں کہ جو چاہو تمہیں دیدوں بلکہ جس قدر خُدا میری تصدیق کی علامات کے طور پر کافی اور مناسب جانتا ہے ظاہر کرتا ہے۔)

معجزہ کچھ ایسے حالات کے ساتھ آتا ہے کہ اُس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی اور عصا کا معجزہ دکھایا اس کا جواب دینے کے لئے فرعون نے بڑے بڑے ساحروں کو جمع کیا

اور وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی لاٹھیاں اور رسیاں لے کر پہنچ گئے، وہ سمجھے ہوئے تھے کہ موسیٰ بھی ہمارے ہم پیشہ ساحر ہیں۔ اسی لئے کہا۔

اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّکُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ۝

(پہلے تم ڈالو گے یا ہم)

مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "تم پھینکو" جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں اور وہ چلتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے (فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی) موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈرے حالانکہ اگر وہ بھی پیشہ ور ساحر ہوتے تو ڈر کی کوئی وجہ نہ تھی۔

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ خوف کیوں طاری ہوا اور کیوں طاری کیا گیا؟ یعنی خوف کا منشا کیا تھا اور اس کے طاری کئے جانے میں کیا حکمت تھی؟ اگر کہا جائے کہ سانپوں کی صورت دیکھ کر ڈر گئے تو موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر کو ان لاٹھیوں اور رسیوں سے کوئی خوف نہیں ہو سکتا تھا۔ خصوصاً جب کہ اسی نوعیت کے اعلیٰ خوارق کا تجربہ بھی دو مرتبہ کر چکے تھے۔ پہاڑ پر جو واقعہ "القاء عصا" کا ہوا اس پر "لاتخف" سن چکے تھے کیونکہ وہاں بھی خائف ہوئے وَلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ جس کے جواب میں کہا گیا:

لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ

(اے موسیٰ مت ڈرو یہاں انبیاء ڈرا نہیں کرتے)

پھر دوسری مرتبہ فرعون کے سامنے لاٹھی ڈال کر بھی دیکھ چکے تھے۔
شیخ فرماتے ہیں کہ پہلی دفعہ پہاڑ پر بشری خوف تھا جو کہ وہیں نکل
چکا تھا، اب دوسری دفعہ جو خوف ساحرین کے مقابلہ میں طاری ہوا، یہ اس وجہ
سے کہ موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ میرے ساتھ میں کوئی طاقت اور قدرت
نہیں، کہیں ساحرین کی اس شعبدہ بازی کے سامنے حق کا کلمہ پست نہ ہو
جائے اور بے وقوف لوگ ان جھوٹے کرشموں کو دیکھ کر فتنہ میں نہ پڑ جائیں
چنانچہ جواب میں ارشاد ہوا۔

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى

(ڈرو مت تم ہی سر بلند ہو کر رہو گے)

یہ تو خوف کا منشا تھا آگے اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ جب ڈرگئے
اور ڈرے ہوئے آدمی پہ خوف اور گھبراہٹ کے جو آثار ہویدا ہوتے ہیں اُن کو
محسوس کر کے ساحرین سمجھے کہ ہمارے پیشہ کا آدمی ہرگز نہیں۔ یا کم از کم اس کو
کوئی ساحرانہ عمل ایسا معلوم نہیں جس سے ہمارے مقابلہ میں قلب کو مطمئن
رکھ سکے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا جو باذن اللہ تمام جادو
کے سانپوں کو نگل گیا تو ساحرین نے یقین کر لیا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت
ہے۔ وہ سب بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور چلا اُٹھے کہ ہم بھی موسیٰ اور
ہارونؑ کے پروردگار پر ایمان لاتے ہیں۔ فرعون نے بہت کچھ دھمکیاں دیں
اور خوفزدہ کرنا چاہا مگر اُن کا جواب صرف یہ تھا۔

فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا
اِنَّا اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَا اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ
مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۝

(جو کچھ تجھے فیصلہ کرنا ہے کر گذر تو اس سے زیادہ نہیں کر سکتا کہ صرف اسی دُنیا کی (چند روزہ) زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ ہم تو اپنے (حقیقی) پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ ہماری خطائیں اور اُن ساحرانہ حرکتوں کو معاف فرمائے جو تو نے ہم سے زبردستی کرائیں اور اللہ سب سے بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے)۔

اور جو لوگ ایسی آیات بینات دیکھ کر بھی راہ حق پر نہ آئے اُن کا حال یہ تھا

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۝

(اُنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا۔ ظلم سے اور زیادتی سے حالانکہ اُن کے دلوں کو (سچائی کا) پورا پورا یقین حاصل تھا۔)

خود فرعون کو خطاب کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
بَصَآئِرَ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝

(تو خوب جانتا ہے کہ یہ آیات آسمان و زمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نہیں اُتاریں اور فرعون بیشک میں تجھے سمجھتا ہوں کہ تو (اس علم کے باوجود) ہلاکت میں گر چکا ہے)

معجزہ خدا کی طرف سے نبوت کی فعلی تصدیق ہے | یہیں سے ہم اس نتیجہ پر

پہنچے ہیں کہ معجزہ فی الحقیقت حق تعالیٰ کی طرف سے نبوت کی عملی تصدیق ہے۔ جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں یعنی حق تعالیٰ نے مجھ کو اپنے منصب سفارت پر سرفراز فرمایا ہے اور تمام بنی نوع میں سے مجھ کو اپنے فرامین و ہدایات پہنچانے کے لئے چھانٹ لیا ہے۔ نجات ابدی سے بہرہ ور ہونا صرف میرے ہی اتباع میں منحصر ہے۔ میرے اتباع سے الگ ہو کر عذاب الٰہی سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔

یہ سب دعاوی خدا تعالیٰ کے سامنے، اُس کی زمین پر، اُس کے آسمان کے نیچے بآوازِ بلند بار بار کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ میرے ہاتھوں اور زبان سے وہ چیزیں ظاہر فرمائے گا جو اس کی عام عادت کے خلاف ہوں گی اور دُنیا اُن کی مثال لانے سے عاجز ٹھہرے گی۔ پھر اسی کے موافق مشاہدہ بھی کیا جا رہا ہو تو یہ یقیناً خدا کی جانب سے اُس کے دعوے کی عملی تصدیق ہے اور خدا تعالیٰ چونکہ جھوٹی تصدیق نہیں کر سکتا لہٰذا نبی کا دعوے معجزہ کے ظہور کے بعد سچا ثابت ہو جاتا ہے۔

اِسی لئے بلاخوف تردید یہ یقین رکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ جو تمام سچائیوں کا سرچشمہ اور صداقتوں کا خزانہ ہے، کسی انسان کو یہ دسترس نہ دے گا کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے برابر ایسے خوارقِ عادات دکھلاتا رہے کہ دُنیا اِس کے مقابلہ سے عاجز ہو جاتے۔ ضرورت کہ خدا ایسے حالات بروئے کار لائیگا کہ اس کی طرف سے جھوٹے کی عملی تصدیق نہ ہونے پائے۔

فعلی تصدیق کی مثال | آپ جلسوں میں دیکھتے ہیں اور کونسلوں اور پارلیمنٹوں

کا حال سنتے ہیں کہ جب کسی مسئلہ، تجویز یا انتخاب پر بحث چھڑ جاتی ہے تو فریقین کی پوری زور آزمائی اور ردّ و کدّ کے بعد فیصلہ کا مدار اس پر ہوتا ہے کہ رائیں شمار کرلی جائیں جس کے لئے شرکاء اجلاس سے ہاتھ اٹھوائے جاتے ہیں، اور یہی ہاتھ اٹھا دینا یا نہ اٹھانا اس ریزولیوشن کی تصدیق و تائید یا تکذیب و تردید کے لئے کافی ہوتا ہے۔ زبان ہلانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک شخص کی نسبت پبلک جلسہ میں رائے لی جاتی ہے کہ آیا جمہور کو اس پر اعتماد ہے؟ اس پر ہاتھ اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ یہی اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان سب کی رائے اس شخص کے حق میں ہے۔ ہم دن رات سینکڑوں دفعہ اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھائیں اس کو کسی چیز کے ثابت کرنے یا نہ کرنے میں کوئی دخل نہیں۔ لیکن یہی ہمارا ہاتھوں کی وضع طبعی اور ہیئت اصلی کے خلاف اوپر کو اٹھا دینا جب کسی ریزولیوشن کی تسلیم و انکار یا کسی دعوے کی صحت و بطلان کی آزمائش کے موقعہ پر ہو تو غبی سے غبی انسان کو بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، اس وقت کھڑے ہوئے ہاتھوں ہی کے شمار سے رایوں کا شمار کرلیا جاتا ہے اور پھر بڑے نازک اور عظیم الشان مسائل کے فیصلے ہاتھ کی اس غیر طبعی حرکت پر بلے چون و چرا ہو جاتے ہیں پس جس طرح ہاتھوں کا نیچے لٹکائے رکھنا آدمی کی عادت اور وضع طبعی کے موافق ہے اور اوپر کو اٹھانا کبھی کبھی خاص ضرورت اور مصلحت سے ہوتا ہے اور یہی غیر طبعی وضع جب کسی ریزولیوشن پر ووٹ دینے کے اختیار کی جائے تو اس ریزولیوشن

یا دعوے کی بے شک و شبہ تصدیق و تائید سمجھی جاتی ہے۔
ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ شانہٗ کا جو فعل عام سنن طبعیہ کے سلسلہ میں ظہور پذیر ہو وہ اس کی عام سُنت اور عادت کہلاتی ہے اور جو اسباب سے علیحدہ ہو کر کسی خاص مصلحت اور حکمت کے اقتضاء سے ظاہر ہو وہ خرقِ عادت ہے۔
اور یہی خرق عادت جب کسی شخص کے دعویٰ نبوت اور تحدی کے بعد اس سے، یا اُس کے کہنے کے موافق صادر ہو یہ معجزہ ہے کہ جو من جانب اللہ اس کے دعویٰ کی فعلی تصدیق ہے۔

معجزہ، کرامت، ارہاص لیکن اسی کے مشابہ کوئی خرق عادت اگر کسی نبی کے متعلق اس کے دعویٰ نبوت یعنی بعثت اور تحدی سے پہلے ظاہر ہو اُس کو "ارہاص" کہتے ہیں، اور اگر کسی غیر نبی کے ہاتھ پر اتباع نبی کی برکت سے اس قسم کے خارق عادات نشانات دکھلائے جائیں تو اس کا نام "کرامت" ہے

کرامت اور استدراج کا فرق ہاں ایک چیز ان تینوں کے سوا اور ہے جس کو متکلمین کی زبان میں استدراج کہتے ہیں یعنی وہ خوارق عادات جو گاہ بگاہ کسی بدکار، گمراہ۔ فاسق یا کافر مشرک اور مکذب انبیا کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ یہ خوارق بھی صورۃً اُن خوارق سے مشابہ ہو سکتے ہیں جن کا نام ہم نے کرامات رکھا ہے لیکن سمجھنے والوں کے نزدیک ان دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ ایک نجیب الطرفین مولود اور ایک ولد الزنا میں، کہ بظاہر دونوں بچے یکساں شکل و صورت رکھتے ہیں اور حسی طور پر دونوں ایک ہی طرح کی حرکت و عمل کا نتیجہ ہیں۔ مگر محض اس لئے کہ اُن میں سے ایک بچہ

فعل حرام کا نتیجہ اور دُوسرا عمل مشروع اور طیب کا ثمرہ ہے ، ہم پہلے کے تولد کو مذموم و قابلِ نفرت اور دُوسرے کی ولادت کو محمود اور موجب مسرت وابتہاج سمجھتے ہیں ۔

ٹھیک اسی طرح جو "خوارق عادات" اتباع رسُول اور خدائے واحد کی پرستش کا نتیجہ ہوں وہ "کرامات اولیاء" کہلاتی ہیں جن کے مبارک و محمود ہونے میں کوئی شبہ نہیں ۔ اس کے برخلاف جو "خوارق" اتباع شیطان، عبادت غیر اللہ، فسق و فجور اور اخلاد الی الارض کے ثمرات ہوں ۔ اُن کا نام "استدراج" اور "تصرف شیطانی" ہے ۔ اور اسی جگہ سے ہمارا یہ خیال ہے کہ ہم صرف کرامات سے ولی کو نہیں پہچان سکتے بلکہ ولی سے کرامات کو پہچانتے ہیں اور یہ بڑے شکر کا مقام ہے کہ حق تعالٰے نے محض اپنے فضل سے ہم کو اس قسم کے فروق تلقین فرما کر التباس حق بالباطل سے محفوظ رکھا ہے ۔ واللہ ولی التوفیق

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ

وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

بِحُرْمَۃِ نَبِیِّکَ وَحَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ

وَسَلَّمَ